

اپریل ۲۰۱۷ء

ماہنامہ

شعاعِ سل

لکھنؤ

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى 'قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ'
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور روشن کتاب



نور ہدایت فاؤنڈیشن، حسیہ غفران مااب، چوک، لکھنؤ-۳



R.N.I NO. UPBIL/2004/13526

Postal Regd. No. SSP/LW/NP-75/2017-19 Dispatch Date: 2 & 6 of Every Month

Annual Rs. 200/-

April 2017

Per Copy- Rs.25/-

شुआ-ع-امل

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका लखनऊ



قبلہ و کعبہ عالم سید العلماء آیۃ اللہ العظمی
سید حسین علیہین مکان

ولادت ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ مطابق اکتوبر ۱۷۹۶ء وفات شب شنبہ ۱۷ صفر ۱۲۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۸۵۶ء

Lucknow



NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION

Imambara Ghufraan Maab, Chowk, Lucknow-3 (U.P.) INDIA, Ph.:0522-2252230

فہرست مضامین

(اپریل ۲۰۱۷ء / رجب المرجب ۱۴۳۸ھ)

مجلس ادارت

ڈاکٹر امانت حسین نقوی

عمیل شمسی

واصف احمد نقوی سمیر

شاہد علی اعظمی

ذوالفقار حیدر اعظمی

الحاج مرزا ہمایوں قدر

ڈاکٹر عارف عباس

ریحان عالم لکھنؤ

بنت زہراء ندی الہندی

ظفر حسین رضوی بیورو چیف ممبئی

عرفان حیدر، بیورو چیف مدھیہ پردیش

کیف نقوی، بیورو چیف دہلی

R.N.I. NO.

UPBIL/2004/13526

Postel Regd. NO.

SSP/LW/NP-75/2017-2019

WEBSITE:

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

E_mail:

noorehidayat@yahoo.com

noorehidayat@gmail.com

زرسالانہ

ایک سال کے لئے: -/200

پانچ سال کے لئے: -/800

لائف ممبرشپ: -/5000



ماہنامہ



‘شعاع عمل‘

(ہندی وارو)

‘خاندان اجتہاد نمبر‘، روزنامہ نقیب لکھنؤ

اور نور ہدایت فاؤنڈیشن کے تمام مطبوعات ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

لاگ آن کریں ہماری ویب سائٹ

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com



ماہنامہ ‘شعاع عمل‘، لکھنؤ

اپریل ۲۰۱۷ء

آج کچھ درد۔۔۔۔۔ سوا ہوتا ہے

درد تو درد ہے، ہوتا ہے، ہوتا ہی ہے۔ انسان سے اس کا خاص رشتہ ہے، پیداؤشی رشتہ ہے۔ یوں تو کوئی بھی ذی حیات درد سے خالی نہیں ہوتا، پھر بھی درد کی جو قسم انسان میں ہوتی ہے، وہ اسی سے خاص ہے۔ انسان دوسروں کا درد پال سکتا ہے۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔ وہ دوسروں کا درد بانٹ بھی سکتا ہے۔ (یہ بات الگ ہے کہ وہ دوسروں کو درد بھی بانٹ سکتا ہے۔) خیر! یہ درد اپنے میں خدائے کریم و رحیم کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جو درد فطرتاً ہوتا ہے، وہ کبھی بے جا نہیں ہوتا۔ درد اکثر پوشیدہ علت و علالت کی نشاندہی بھی کرتا اور کبھی کبھی یہ خود علاج بھی بن جاتا ہے۔ آج کے سائنسی و طبی ترقی کے دور میں اسے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

یہاں زیر نظر صفحہ پر جس درد کی بات کرنا ہے، وہ کچھ الگ سا ہے۔ اس کا سرا سوشل میڈیا سے ملتا ہے۔ ظاہر ہے سوشل میڈیا کا کام دلوں کو جوڑنا ہے، اس طرح پوری دنیا کو ایک عالمی عمرانی واحدہ یعنی Global Village کی صورت دینے میں معاون ہونا ہے۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کا مثبت چہرہ تو شاذ و نادر ہی شہرہ کامرہوں ہوتا ہے۔ ہاں جب دیکھئے اس کا منفی رخ بہت جلد اور تیزی سے وائرل ہو جاتا ہے۔ (اغلباً اسی منفی بات کو دیکھ کے اسے وائرس / Virus سے نسبت دی گئی) اسی ضمن میں وہ بحث و مباحثہ آتا ہے جو چاہے بنیادی طور پر علمی اور سنجیدہ ہو چاہے بنام علم ہو، لیکن جس میں چھوٹی چھوٹی بات کو تناسب سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کی جاتی یا اصل سے ہٹا کر بے جا حدوں تک پہنچادی جاتی ہے۔ اس میں شرکاء کو چاہے مسالہ تول جائے لیکن یہ دلوں کو جوڑنے کے بجائے توڑنے کا کام کرتی ہے، آپسی میل محبت کے بجائے نفرت و عداوت اور تفرقہ اندازی تک پہنچ جاتی ہے۔ اکثر ایسے وائرل بحث و مباحثہ میں جاوے جا دین کے سر منڈھ دئے جاتے ہیں (چاہے ان کا تعلق اصل دین سے نہ ہو بلکہ افسی مذہب سے ہو) اصل دین میں بحث اور استفسار کی گنجائش ہے، یہ تحقیق کا کام کرتی ہے۔ وہیں ہر علم میں معقول بحث کا جواز ہے، اس سے علم پروان چڑھتا ہے اور نکھرتا ہے۔ ان دونوں میں متانت شرط ہے۔ سوشل میڈیا کے سلسلہ میں اپنا درد جن بحث و مباحثہ کی پوسٹوں کی بنا پر ہے وہ لا حاصل بحث و مباحثہ ہیں جن کے چھڑنے کا بنیادی مقصد ہی مسائل کو الجھانا، اپنے جاوے بے خیالات تھوپنے کے لئے زمین ہموار کرنا یا ایسے ہی دوسرے مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد کبھی بھی معقول انداز میں قائل ماقول کرنا ہوتا ہی نہیں۔ وہ دین اور علم و دانش کی نظر میں چاہے جتنے لا حاصل ہوں لیکن ان کے سہارے دینی موضوع میں شیطانی عناصر اپنا الوسیدھا کر لے جاتے ہیں اور علمی موضوع میں نامعقول (جاہلیت پناہ) عوامل اپنی کارستانی دکھا جاتے ہیں۔ کہاں تک یہ بکھان کیا جائے۔ آخر میں یہ کہنا ہے کہ جس کو بھی ایسا درد محسوس ہو وہ دین علم و دانش اور معقولیت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہوشیار رہے تو اس کے لئے ان بحث و مباحثہ میں درآئے شیطانی عناصر اور جاہلیت پناہ عوامل کی پہچان آسان ہو جائے گی۔ پھر ان کا علاج بھی دشوار نہ رہے گا۔ آگے آگے دعا ہی شفا دے سکتی ہے۔ انہی ٹوٹے پھوٹے لفظوں کے ساتھ شعاع عمل کا تازہ شمارہ حاضر ہے۔ دعا ہے، یہ شمارہ بھی روحانی مطب کا نسخہ ثابت ہو۔

م۔ر۔عابد

اثباتِ پردہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

احادیث متعلق زینت

زینت کی تفسیر میں جتنے اقوال ہیں وہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ایسے اشخاص سے منقول ہیں جو غیر معصوم ہیں اور وہ خود آپس میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ایک حدیث قابل لحاظ ہے جو بطریق صحیح وارد ہوئی ہے۔ وہ فضیل بن یسار التہدی کی روایت ہے امام جعفر صادق سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے کہنیوں کے نیچے کے حصے یعنی باہوں کے متعلق دریافت کیا کہ یہ بھی اس زینت میں داخل ہے جس کے چھپانے کا اس آیت میں حکم ہے کہ ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن۔ حضرت نے فرمایا:-

نعم وما دون الخمار من الزینة وما دون السوارین۔
”ہاں یہ زینت میں داخل ہیں اور خمار کے نیچے کا حصہ بھی زینت میں ہے اور کنگنوں کے نیچے کا حصہ بھی“

اس سے بعض ارباب فہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ پردہ سے مستثنیٰ ہیں حالانکہ حدیث کے الفاظ سے غور کرنے کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔

جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اس پر بہت بسیط بحث فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

جہاں تک ہماری سمجھ میں آتا ہے خمار کے نیچے کے حصہ سے مراد چہرہ ہے اور کنگنوں کے نیچے کے حصہ سے مراد دونوں ہاتھ ہیں اور اس کے کہنے کی ضرورت امام کو اس لئے پڑی کہ اہل سنت میں یہ بات مشہور تھی کہ ما ظہر سے مراد آیت میں چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ اور یہ پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ بظاہر

سائل کے ذہن میں یہی چیز تھی جو اس نے ذرا عین یعنی باہوں کے متعلق سوال کیا۔ امام نے اس کی غلط فہمی کا اندازہ فرماتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دے کر یہ اضافہ فرمایا کہ باہوں کا کیا ذکر۔ جسے عام لوگ مستثنیٰ سمجھتے ہیں یعنی خمار کے نیچے کا چہرہ اور کنگنوں کے نیچے کا ہاتھ یہ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ عام طور سے کلام عرب میں چہرہ کے متعلق دون الخمار۔ اور دون القناع۔ ہی کے الفاظ صرف ہوتے ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقنع اور خمار کے نیچے ہوتا ہے چنانچہ دیوان حماسہ کے ایک شاعر کا قول ہے:

فالقت قناعا دونہ الشمس واتقت

باحسن وصولین کف ومعصم

(یعنی) ”اس حسینہ نے وہ مقنع پھینک دیا جس کے نیچے آفتاب تھا اور پردہ کیا۔ دونوں انتہائی حسن کے ساتھ آپس میں ملے ہوئے ہاتھ اور کلائی کے ساتھ۔“

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آفتاب سے مراد چہرہ ہے اور اسے شاعر نے دون القناع۔ (مقنع کے نیچے) کہا ہے۔ اس لئے روایت فضیل میں بھی دون الخمار۔ (خمار کے نیچے) سے مراد چہرہ ہی لینا چاہئے اور دوسرا مصرع اس معنی کا شاہد ہے جو ہم نے دون السوارین۔ میں قرار دیئے ہیں۔ کیونکہ معصم کے معنی ہیں کلائی اور سوار کے معنی ہیں کنگن۔ معصم یعنی کلائی ہی محل سوار ہوتی ہے اور شاعر کے قول سے ظاہر ہے کہ معصم سے متصل بس کفین ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں۔ اس لئے دون السوارین دونوں کنگنوں

سے نیچے صرف کفین قرار پاتے ہیں اور ان ہی کو امامؑ نے فرمایا ہے کہ یہ زینت میں داخل ہیں۔

اگر ہم دون کے معنی لغوی پر غور کریں۔ تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے اس لئے کہ دون کے ایک معنی پاس اور نزدیک کے ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ زنجشیری نے کشاف میں کہا ہے معنی دون ادنی مکان من الشیء۔ دون کے معنی ہیں قریب ترین جگہ کسی چیز سے۔ اسی اعتبار سے جمع کتب کو ”تدوین“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بعض اجزاء کتاب بعض سے قریب رکھے جاتے ہیں اور عرب کے روزمرہ میں کہا جاتا ہے دونک لہذا۔ لویہ تمہارے پاس ہے۔

خذه من دونک۔ اپنے پاس سے لے لو۔

بیضاوی اور فخر الدین رازی اور ابوالسعود وغیرہ مفسرین نے بھی یہ معنی لکھے ہیں اور سید علی خان مدنی شارح صحیفہ کاملہ نے بھی ان کو درج کیا ہے اور ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہی اس لفظ کے اصلی معنی ہیں۔ فیوضی نے مصباح منیر میں کہا ہے:

لہذا دون ذلک۔ کے معنی ہوتے ہیں اقرب منہ۔ یعنی یہ اُس سے بہت قریب ہے۔ اسی اعتبار سے امام موسیٰ کاظمؑ کی سجدہ کی دعا میں ہے۔

یا من علا فلا شیء فوقہ و یا من دنا فلا شیء دونہ۔

”اے وہ خالق جو بلند ہے اتنا کہ اس سے اونچی کوئی چیز نہیں اور نزدیک ہے اتنا کہ اس سے نزدیک تر کچھ اور نہیں۔“

نماز عشا کی تعقیب میں ہے:- وانت الظاہر فلا شیء فوقک وانت الباطن فلا شیء دونک۔

یہاں بھی دونک کے یہی معنی ہیں کہ اے خالق تجھ سے نزدیک تر کوئی چیز نہیں۔

دوسرے معنی دون کے ہوتے ہیں نیچے جیسا کہ فیروز

آبادی نے قاموس میں لکھا ہے۔

دون بالضم نقیض فوق۔ دون فوق یعنی اوپر کے مقابل ہے۔ ”منہنی شاعر نے کہا ہے:-

بعض البریة فوق بعض خالیا

فاذا حضرت فکل فوق دون

(یعنی) ”لوگوں میں بجائے خود بعض بعض سے

اونچے ہیں مگر جب آپ سامنے آجائیں تو ہر اونچا پھر نیچا ہے۔“ یہاں نیچے کے معنی میں دون ہی کی لفظ استعمال ہوئی ہے:

ابوالعلاء معری نے کہا ہے:

قنعت فحلت ان النجم دونی

وسیان التقنع والجهاد

”جب میں نے قناعت سے کام لیا تو سمجھ لیا کہ ستارہ ثریا مجھ سے نیچے ہے اور نتیجہ بالکل ایک ہے خواہ انسان قناعت کرے اور خواہ جدوجہد سے کام لے۔“

تیسرے معنی دون کے ہوتے ہیں کسی جگہ سے اس طرف یا اُس طرف کے جیسا کہ نوح البلاغہ میں امیر المومنینؑ نے

خوارج کے بارے میں فرمایا: مصارعہم دون النطفة

”ان کے قتل ہونے کی جگہ نہر کے اسی طرف ہے۔“ اور کافی میں ہے کہ جنگ نہر وان کے موقع پر ایک

سوار دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا یا امیر المومنینؑ فتح مبارک ہو دشمنوں کی جماعت تمام وکمال قتل ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا من دون النہر او من خلفہ۔ نہر کے آگے یا اس کے پیچھے اس نے کہا بل من دونہ۔ ”نہیں بلکہ نہر کے آگے“ حضرت نے فرمایا

کذبت والذی فلق الحبۃ لا یعبرون ابدأ۔

”تو غلط کہتا ہے بخدا وہ نہر کے اُس پار نہیں جائیں گے۔“

اس حدیث میں الفاظ کی جو ترتیب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دون ”اُس طرف“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور صحیفہ کاملہ کی دعا میں ہے۔ کانت عافیتک لنا

حجابا دون ابصار ہم۔

”تیری طرف کی سلامتی ان کی آنکھوں کے سامنے ہم پر ایک پردہ کی حیثیت سے چھائی ہوئی تھی۔“

اب دون کی لفظ کے ان معانی پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ ہر ایک معنی سے چہرہ کو دون الخمار کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ یقیناً ”چہرہ خمار کے پاس ہوتا ہے۔ خمار کے نیچے ہوتا ہے اور خمار کے پیچھے ہوتا ہے۔ لہذا جس اعتبار سے بھی دیکھئے دون الخمار ہے چہرہ ہی کو مراد لینا درست ہے اور اسی لئے کلام عرب میں چہرہ کو تحت الخمار۔ دون الخمار بلکہ فی الخمار کہنا بھی شائع و ذائع ہے۔ یہ اشعار اس کے قبل قرآنی آیت و لیضربن بخمرهن علیٰ جیوبهن۔ کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں قاضی ابوالیٰ قزوینی نے صاف کہا ہے نور الخمار و نور خدک تحتہ۔ ”خمار کی روشنی اور پھر اُس کے نیچے تیرے رخسار کی روشنی۔“ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چہرہ خمار کے نیچے کہا جاتا ہے اور اب مادون الخمار کے معنی چہرہ کے سوا کیا ہو سکتے ہیں؟

الفاظ حدیث پر ایک مرتبہ اور غور کیا جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ اگر امام کا مقصد یہ ہوتا کہ کنگنوں سے اوپر کا حصہ جو دونوں ہاتھ کے گٹوں سے اوپر ہے وہ زینت میں داخل ہے اور چہرہ کو چھوڑ کر جو سر و گردن کا حصہ ہے وہاں سے زینت کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ تو حضرت کو واو عاطفہ درمیان میں لانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ جب سائل نے پوچھا کہ باہیں زینت میں داخل ہیں تو حضرت فرماتے نعم دون الخمار من الزینۃ و مادون السوارین۔ ہاں خمار کے حصہ کو چھوڑ کر اور کنگنوں کو چھوڑ کر جتنا ہے وہ سب زینت میں داخل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ کلیہ بتا رہے ہیں۔ جس میں ذرا عین یعنی دونوں باہیں بھی داخل ہو جائیں۔ اس صورت میں نعم و مادون الخمار۔ حرف عطف کے ساتھ

کہنے کا کوئی محل نہ تھا۔ لیکن امام نے اس طرح نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا کہ نعم و مادون الخمار من الزینۃ و مادون السوارین ”ہاں اور (اس کے علاوہ) وہ کہ جو خمار کے نیچے ہے وہ بھی زینت میں داخل ہے اور جو کنگنوں کے نیچے ہے وہ بھی“ اس ”اور“ کی لفظ سے ظاہر ہوتا کہ آپ کوئی ایسا کلیہ نہیں بتا رہے ہیں جس میں ذرا عین بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ذرا عین کے علاوہ دو اور اجزاء سے بدن کے پردہ کا حکم بتاتے ہیں جن کے متعلق تو ہم یہ ہوتا ہے کہ وہ پردہ سے خارج ہیں اور وہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں جن کے متعلق اہل سنت نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ان کا پردہ لازم نہیں ہے تو حضرت نے اس شبہ کو دفع فرماتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ذرا عین کے علاوہ چہرہ اور ہاتھوں کا بھی پردہ لازم ہے۔

احادیث متعلق پردہ

جس طرح قرآن مجید سے پورے شد و مد کے ساتھ پردہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے اسی طرح معصومین کے اقوال بھی اس کی اہمیت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ احادیث ہی کی بنا پر صنف کا نام ہی عورت ہو گیا ہے۔

لغۃ عورت اُس شے کو کہتے ہیں جس کا پردہ لازم ہو چنانچہ مرد کے جسم میں وہ اجزاء جن کا چھپانا ضروری ہے اسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور ستر عورتین کہے جاتے ہیں۔ مرد میں یہ مخصوص اجزاء ہیں لیکن عورت از سرتا پا عورت قرار دی گئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امتیازی حیثیت سے پردہ کی مستحق ہے۔ یہ حدیثیں ایک دوسریں بلکہ استفاضہ کی حد سے متجاوز ہیں۔

(۱) کافی میں جناب امام جعفر صادق کا ارشاد ہے اتقوا اللہ فی الصّٰعفین و انما هن عورة۔
”دونوں کمزور صنفوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ (ایتام اور طبقہ زنان)“
اور یہ صنف تو بس عورت ہے (اس کا چھپانا لازم ہے)

امالی شیخ الطائفہ امیر المومنینؒ کی روایت ہے جناب رسالت مآبؐ سے۔

النساء عی و عورات قد او دعیہن بالسکوت و عوراتہن بالبیوت۔

”صنف نازک خاموشی کا مجسمہ اور عورت ہے ان کا تدارک یہی ہے کہ انہیں خاموش رہنے دو اور ان کو گھر کے اندر محفوظ رکھو۔“

(۲) امیر المومنینؒ فرماتے ہیں:۔ لا تبدأوا النساء عبا السلام ولا تدعوھن الی الطعام فان النبی قال النساء عی و عورة فاستروا عیھن بالسکوت واستروا عورتھن بالبیوت۔

”عورتوں پر خود سے سلام نہ کرو اور انہیں عورتوں میں مدعو نہ کرو اس لئے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم تن خاموشی اور عورت ہیں ان کو چپ رہنا اور گھروں میں رہنا زیبا ہے۔“
کلمات علماء مفسرین لفظ عورت کی اس تشریح پر متفق ہیں۔
قیومی (۱) نے مصباح المنیر میں لکھا ہے:
(۱) یہ اقوال علماء کے تمام جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اسد الغاب میں درج فرمائے ہیں۔

قیل للسواء غورة لقبح النظر اليها و كل شیئ یستره الانسان انفه و حیاء فهو غورة و النساء غورة۔

”انسان کے خاص اعضائے جسم کو عورت اس لئے کہتے ہیں کہ نظر اس کی طرف نہ چاہیے اور ہر شے جس کو انسان حمیت و غیرت کی بنا پر پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اور اسی لئے صنف نسواں کو عورت کہا جاتا ہے۔“
فاصل ہندی صاحب کشف اللثام نے مناجح سویہ میں لکھا ہے:۔

”عورت عار سے مشتق ہے۔ اسے عورت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا پردہ سے باہر آنا عار و ننگ کا باعث ہوتا ہے۔“

راغب نے مفردات میں لکھا ہے:۔

العورة سورة الانسان و ذلك کنایہ و اصلها من العار و ذلك لما يلحق من ظهوره من العار ای المذمة و لذلك سمي النساء عورة و من ذلك العوراء للكلمة البقية۔

عورت انسان کے مخصوص اعضاء کو کہتے ہیں اور یہ نام اُس کا بطور کنایہ ہے اصل میں یہ عار سے مشتق ہے چونکہ اس کا کھلنا انسان کے لئے عار یعنی ندامت کا باعث ہوتا ہے اسی لئے صنف نازک کا نام عورت ہوا اور اسی وجہ سے بری لفظ کو عوراء کہا جاتا ہے کہ اسے زبان سے ظاہر نہ ہونا چاہیے۔

ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے:۔

ومنه الحديث المرأة عورة جعلها فی نفسها عورة لانها اذا ظهرت یستحیی منها کما یستحیی من العورة اذا ظهرت۔

حدیث میں ہے کہ صنف نازک عورت ہے اسے ہم تن عورت کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کی بے پردگی سے اسی طرح حیا و خجالت دائمگیر ہوتی ہے جیسا جسم انسان کے اُن اعضاء کے ظاہر ہونے سے جو عورت ہیں۔

علامہ طریخی نے مجمع البحرین میں اس کو زیادہ تشریح کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ من تتبع عورة اخیه المسلم۔

”یعنی جو اپنے برادر مسلمان کی عورت کا پیچھا کرے یعنی اس کے ان اقوال و افعال کی جستجو کرے جنہیں اللہ نے پردہ میں رکھا ہے۔ انسان کے مخصوص اعضائے جسم کو بھی عورت اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کی طرف نظر قبیح ہے اور جس شے کو انسان حمیت و غیرت کے سبب سے پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اسی لئے حدیث میں طبقہ نسواں کو عورت کہا گیا ہے کیوں کہ ان کی بے پردگی ویسی ہی باعث شرم ہے جیسے اپنے جسم

کے لباس سے عورت کا ظاہر ہو جانا شرم کا باعث ہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

اللہم استر عورتی وامن روعتی۔

”خداوند! میرے لئے عورت کو چھپا اور خوف سے مجھے

محفوظ رکھ“

یہاں عورت سے مراد ہر ایسی چیز ہے جس کا ظاہر ہونا انسان کے لئے باعث خجالت ورنج ہو اور جس پر نظر کرنا وہ پسند نہ کرتا ہو۔

صحیفہ کاملہ میں فقرہ ہے فاجعل ما سترت من العورة۔ اس کی شرح میں سید علی خان مدنی نے بھی یہی لکھا ہے کہ عورت ہر وہ چیز ہے جس کا پردہ سے باہر آنا باعث شرم ہے اور یہ عار سے مشتق ہے۔

اسلامی احادیث کی بناء پر طبقہ نسوانی کے لئے عورت کی لفظ کا بطور لقب زباں زد خلأق ہو جانا اس طرح کہ تقریباً ہماری اردو میں تو اس صنف کے لئے کوئی دوسرا نام اس کے سوا معلوم ہی نہیں ہوتا یہ اس طبقہ کے لئے اسلامی تعلیم پردہ کی موجودگی کے ثبوت کے لئے ایک عظیم الشان تواثر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں شک و شبہ کی ذرہ بھر گنجائش نظر نہیں آتی۔

(۴) قطب راوندی کی کتاب نوادر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روایت ہے اپنے آباء کرام کے سلسلہ سے کہ رسالت مآب نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا صنف زنان کے متعلق کہ وہ کیا ہیں سب نے کہا کہ وہ عورت ہیں حضرت نے فرمایا اچھا پھر بتاؤ کہ وہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب لوگوں نے کچھ نہ دیا۔ جب فاطمہ زہرا کو خبر ہوئی تو کہا:

اذنی ماتکون من ربہا ان تلزم قعر بیعتہا۔

سب سے زیادہ اللہ سے تقرب کا ذریعہ اس کے لئے یہ ہے کہ پابندی سے اپنے گھر کے اندر رہے۔“

حضرت یہ جواب سن کر خوش ہو گئے اور فرمایا فاطمہ

بضعة منی۔

”کیوں نہ ہو فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے۔“

اس کے علاوہ کچھ احادیث ہیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا چاہیے جیسے امیر المومنین کی وصیت اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ سے نہج البلاغہ باب الکتاب میں مذکور ہے اور جسے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مکمل دستور العمل کی حیثیت حاصل ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے:

فأكف علیہن من ابصارہن بحجابك
لہن فان شدة الحجاب ابقي علیہن ولیس
خروجہن باشد من دخالک من لا یوثق بہ علیہن
وان استطعت ان لا یعرفن غیرک فافعل۔

”عورتوں کو بچائے رکھو اس بات سے کہ ان پر نظر پڑے پردہ میں رکھنے کے ساتھ ان کو کیوں کہ پردہ میں سختی کا ہونا ان کے لئے باعث بہتری ہی ہے اور ان کے گھروں سے نکلنے سے کم مضرنہیں ہے ایسے اشخاص کا گھروں میں آنے دینا جن پر تمہیں بھروسہ نہیں ہے اور اگر ایسا کر سکو کہ تمہاری عورتیں تمہارے سوا کسی کو پہچانتی ہی نہ ہوں تو ایسا ہی کرنا چاہیے۔“

صدوق رحمہ اللہ نے اس وصیت کو محمد بن حنفیہ کے نام بتایا ہے۔ کافی میں اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

واغضض بصرہا بسترک واکفہا بحجابك۔
”پردہ داری کے ذریعہ سے ان کی نگاہوں کو دوسروں پر پڑنے سے روکو اور دوسروں کی نگاہوں سے ان کو بچاؤ۔“

اسی پردہ داری کی بنا پر عورتوں کو عام مجموعوں میں جانے کی اجازت دینے سے مردوں کو سزائے اخروی کا مستوجب قرار دیا گیا ہے چنانچہ کافی کی روایت ہے جسے بحار و وسائل میں بھی درج کیا ہے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا:

من اطاع امرأة اکتبة الله على وجهه
فی النار۔

”جو عورت کا کہنا مانے اللہ اس کو منہ کے بل جہنم میں
ڈال دے گا۔“

پوچھا گیا یہ اطاعت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا۔
تطلب الیہ الذہاب الی الحمامات
والعرسات والعیدات والنائمات والثیاب
الوفاق فیجبہا۔

”وہ مرد سے خواہش کرے حماموں میں شادیوں
کی عام محفلوں میں عید گاہوں میں جانے اور باریک کپڑوں
کے پہننے کی اور یہ اس کی خواہش کو منظور کرے۔“

ایک روایت میں یوں ہے کہ من اطاع امرأة
فی اربعة اشیاء اکتبة الله علی منخریة فی النار۔

”جو عورت کا کہنا مانے چار باتوں میں اسے اللہ منہ
کے بل جہنم میں ڈالے گا۔“

ایسی ہی حدیث ثواب الاعمال میں بھی درج ہے۔
اس پردہ داری کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ زر خرید
غلاموں تک کے سامنے آنے کی اجازت نہیں دی گئی اور خواجہ
سراؤں تک سے پردہ کا حکم دیا گیا۔

اور آخر زمانہ یعنی قیامت کے قریب کے علامات
میں بے پردگی کی ترقی کی پیشین گوئی کی گئی جس سے صاف یہ
پتہ چلا کہ پسندیدہ اسلام پردہ داری کی ترقی ہے۔ چنانچہ شیخ
صديق ابن بابویہ قمی طاب ثراہ نے من لایحضر میں اصغ بن
نباتہ کی زبانی روایت کی ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:-

یظهر فی اخر الزمان واقتراب الساعة
وهو شر الازمنة نسوة کاشفات عاریات
متبرجات خارجات من الدین جافلات فی
الفتن مائلات الی الشهوات مرعات الی

الذات مسحلات للمحرمات فی جہنم
خالدات۔

”آخری دور زمانہ اور قیامت کے نزدیک اوقات
میں جو بدترین زمانہ ہوگا۔ عورتیں پیدا ہوں گی بے پردہ برہنہ
بن ٹھن کر نکلنے والی دین سے خارج ہنگاموں میں حصہ لینے والی
اور نفسانی خواہشوں کی طرف رغبت رکھنے والی وہ آتش جہنم
میں ہمیشہ جلنے کی مستحق ہوں گی۔“ ظاہر ہے کہ متبرجات یعنی
بن ٹھن کر اور آراستہ ہو کر نکلنے کے ساتھ عاریات کے معنی
بالکل برہنہ کے سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اس سے مراد وہی نیم
برہنگی ہے جو آج تمدن جدید کا طرہ امتیاز ہے جس میں اس
تمدن کی ترقی کے ساتھ مزید ترقی کے امکانات ہیں۔

ان احادیث سے صاف شرع کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔
جب کہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود کم از کم مالدار، کم از کم شرفاء کم
از کم بڑے گھرانوں میں ثابت ہو چکا ہے تو اگر اسلام جو کہ
اصلاح خلق کا علمبردار ہو کر آیا ہے۔ اگر پردہ کو ناپسند کرتا ہوتا تو
پردہ کی مخالفت میں آواز بلند کرتا ہوتا اور اس کے نزدیک بدترین
زمانہ کا معیار یہ ہوتا کہ جب مردوں کا تشدد و عورتوں پر بڑھ
جائے اور عورتوں کو گھروں میں مقفل کر کے رکھا جائے تو وہ بدترین
زمانہ ہوگا مگر اس کے برعکس اسلام بدترین زمانہ کا معیار عورتوں کی
آزادی، بے پردگی اور مطلق العنانی کو قرار دیتا ہے جس سے
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُس رسم پردہ کی جو کہ ایک طبقہ میں پہلے
سے قائم تھی مخالفت کا حامی نہیں ہے بلکہ اس کی مزید ہمت افزائی
کر کے اس کے خلاف امکانات کا سد باب کرنا چاہتا ہے اور یہ
اسلام کی جانب سے پردہ کی حمایت کی قطعی دلیل ہے۔

خاندان رسول کا اسوۂ حسنہ

اور مسلمانوں کا عمل درآمد

یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی انفرادی اور اجتماعی منزلی اور مدنی

تعلیمات کا مثالی معیار رسولؐ و آل رسولؐ کا اسوہ حسنہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بطور مثال پیش بھی کیا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

اور بحیثیت معلم پیغمبرؐ کی بلندی کا جو ہر یہ تھا کہ جن اصول پر اپنی تعلیم کی بنیاد قائم رکھنا تھی۔ اور جن کی طرف دوسروں کو دعوت دینا تھی خود مقام عمل میں اس اصول کے پابند تھے اور اس طرح پیغمبرؐ اور ان کے گھرانے کے عمل سے اس نقطہ نظر کا با آسانی پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ جو اسلام کے پیش نظر ہے۔

اگر یہ خیال صحیح ہوتا کہ اسلام عورتوں کو آزادی بایں معنی دینا چاہتا ہے کہ پردہ کی پابندیوں سے وہ باہر لائی جائیں تو چاہیے تھا کہ اس کا عملی اقدام خود رسولؐ کی جانب سے ہوتا۔ نہ سہی ایک دم۔ اگر حالات اس کی اجازت نہ دیتے تو کم از کم بہ نسبت عام رواج کے وہاں خفت اختیار کی جاتی۔ جیسے غلامی یک لخت ختم نہیں کی جاسکتی تھی۔

تو اس کے لئے آزادی کی ترغیب میں اہتمام اور ذرا سے بہانہ پر غلاموں کے آزاد کرنے پر عمل اور غلامی کی حالت میں ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کی پابندی اور وصیت ایسی چیزیں ہیں جو صاف ایسے رجحان کا پتہ دے رہی ہیں کہ اسلام کا اصلی مٹح نظر کیا ہے۔

پھر اسی طرح اگر پردہ کو ختم بھی نہ کیا ہوتا تو اس کے متفرق تعلیمات اور عملی مثالوں میں وہ روح ضرور مضمحل ہو اس کی گرفت کے ڈھیلہ کرنے کا اشارہ کرتی رہتی لیکن اس کے برخلاف اگر ہم یہ دیکھیں کہ جتنا عوام کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے اس سے زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ اس کی پابندی خاندان رسالت میں کی جا رہی ہے اور جتنی اہمیت یہاں عمل میں لا کر اپنے طریقہ اور اصول زندگی سے پیش کی جا رہی ہے تو اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اسلام کا نصب العین کسی وقت اور کسی حال میں بھی پردہ کا ختم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ باعتبار

ضرورت و حالات اس میں اضافہ ہی اسلام کی بنیادی روح تعلیم کے مطابق ہے۔

تاریخ اور حدیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ زمانہ پیغمبرؐ میں پردہ بحیثیت قانون کے عملی طور پر جاری ہو گیا تھا اور محرم اور نامحرم کی تفریق کے ساتھ عمومی طور پر حجاب مسلمان عورتوں کے نظام زندگی کا جزو بنادیا گیا تھا۔ بلکہ پردہ کی اہمیت ایسی تھی کہ مشتبہ صورتوں میں اگرچہ ظاہر شرع میں میراث دلوا دی گئی مگر محرم قرار دے کر سامنے آنے جانے کی اجازت نہیں دی۔ ملاحظہ ہو زینب اسدیہ کی روایت جب انہوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک کنیز چھوڑی جس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کنیز کے چال چلن کو ہمیشہ ہم لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔ وہ لایا گیا۔ حضرت نے اسے دیکھا اور فرمایا میراث میں اسے حصہ تو دے دیا جائے مگر تم اس سے پردہ کرنا۔

(استیعاب مطبوعہ حیدرآباد، ج ۲، ص ۷۶۱)

رسولؐ کے گھر کے لئے اس بارے میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ آپ کے ازواج کے لئے عمومی طور پر پردہ کے احکام کے علاوہ خصوصی احکام بھی تھے اور قرآن کریم نے عمومی طور سے ان کے لئے حجاب کا قانون نافذ کیا۔

واذا سالتموهن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن۔

(احزاب۔ ۵۳)

”جب ازدواج پیغمبرؐ سے تمہیں کچھ مانگنا ہوا کرے تو اُن سے پردہ کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ بہتر ہے۔“ طبری رحمہ اللہ جو امع الجامع میں فرماتے ہیں کہ اس حکم میں اتنی ہمہ گیر عمومیت تھی کہ باپ بھائی اور اقارب تک کو خیال

پیدا ہوا کہ ہمیں بھی پس پردہ سے گفتگو کرنا ضروری ہے اور رسالت مآبؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آیت اتری۔

لا جناح علیہن فی آباءہن ولا ابناہن
ولا اخواتہن ولا ابناء اخواتہن ولا
اخوانہن ولا نساءہن ولا ما ملکت ایمانہن ولا
تقین اللہ ان اللہ کان علی کل شئی شہیداً۔

(احزاب-۵۵)

”ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے اپنے باپ بیٹوں بھائیوں بھتیجیوں اور بھانجوں اور مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں کے بارے میں۔ ہاں تقویٰ کو اپنا شعار رکھیں اللہ ہر بات سے واقف ہے۔“

اس آیت میں محارم کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے بعد سب کو اطمینان ہوا۔ ازواج رسولؐ عملاً اس قانون کی پابند تھیں۔ اس کے شواہد و نظائر تاریخوں میں بکثرت ہیں۔

عائشہ ام المومنین کی روایت ہے (ایک واقعہ کے بیان میں) انی لفی بیت رسول اللہ و اصحابہ بالفناء و بینی و بینہم السترفا قبل ابوبکر۔

میں حضرت رسولؐ کے گھر میں تھی اور آپ کے اصحاب صحن خانہ میں تھے اور میرے اور ان کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا اس دوران میں ابوبکر وارد ہوئے۔

(استیعاب، ج ۱، مطبوعہ حیدرآباد، ص ۳۴۱)

دوسری روایت جو صحیح بخاری میں بھی ہے انہی ام المومنین کی زبانی کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ (برادر ام المومنین سودہ) کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔

سعد نے کہا یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا لڑکا ہے۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ میرے نطفہ سے ہے اور اس کی صورت دیکھ لیجئے اسی سے مشابہ ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے اس لئے کہ اس کی ماں میرے باپ کی زوجیت

میں تھی۔

حضرت نے اسے دیکھا تو صاف صاف عتبہ سے مشابہ نظر آیا۔ پھر بھی آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اسے عبد بن زمعہ اپنے ساتھ لے جائے۔ کیونکہ الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ یعنی لڑکے کو اسی کا سمجھا جانا چاہیئے جو اس عورت کا شوہر ہو اور زانی کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر سودہ بنت زمعہ کو حکم دیا کہ تم اس سے پردہ کرو۔ اس کے بعد سے کبھی اس نے سودہ کو نہیں دیکھا۔ (الممعات الفریدہ، مطبوعہ بغداد، ص ۹۷)

زہری کی روایت ہے کہ جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بنی مصطلق کے قیدیوں میں سے اسیر ہو کر آئیں تو حضرتؐ نے انہیں اپنی زوجیت میں داخل فرمایا اور پردہ کا حکم دیا۔ (استیعاب، ج ۲، ص ۷۳۲)

اصول کافی میں جناب امام جعفر صادق کی حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم جو نابینا تھے رسولؐ کے بیت الشرف میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس عائشہ اور حفصہ دو بی بیاں حاضر تھیں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ کمرہ کے اندر چلی جاؤ۔ بی بیوں نے کہا وہ تو نابینا ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ تمہیں نہیں دیکھ سکتا تم تو اسے دیکھ سکو گی۔

مکارم الاخلاق طبری کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ اور میمونہ دونوں بی بیاں تھیں۔ حضرت نے فرمایا پردہ میں چلی جاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ اندھے ہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت نے فرمایا تم تو اندھی نہیں ہو تم تو دیکھو گی۔ کتب حدیث میں آپ کو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملے گی کہ:

احسنکم خیرکم لנסائہ وانا خیرکم لנסائہ۔

”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہے اور میں اپنی ازواج کے

ساتھ تم سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا شخص ہوں۔“ اس کے بعد اگر پردہ ظلم ہوتا یا توہین و تذلیل تو کبھی رسولؐ اپنے ازواج کے لئے اسے پسند نہ فرماتے۔

اسی بنا پر طبقہ خواتین کے لئے رسولؐ کے تعلیمات کی مکمل آئینہ دار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت پردہ کے بارے میں ایک مکمل ترین معیاری درجہ رکھتی تھی۔ آپ کا قول تھا کہ عورت کے لئے بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے اور نہ اس کی کسی غیر مرد پر نگاہ پڑے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں یہ چیز مسلمات سے ہو گئی تھی کہ عورت کا نظام تمدن مرد سے جدا ہے اور وہ پردہ کی پابندیوں کی وجہ سے ان بہت سے فرائض اسلامی اور عبادات تک میں شریک نہیں ہو سکتی۔ جنکے لئے گھر سے باہر آنے کی ضرورت ہے۔

اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جب حج کے بعد جماعت انصار کی ایک محترم خاتون اسماء بنت یزید بن سکن پیغمبرؐ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: کہ مجھے مسلمان عورتوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور جو کچھ میں کہتی ہوں وہ ان سب کی تقریر اور ان کی رائے ہے۔ اللہ نے آپ کو مرد اور عورت سب کی طرف مبعوث کیا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا مگر ہم عورتیں پردے میں گرفتار گھروں کی بیٹھنے والیاں، مردوں کی خواہشوں کی پابند اور ان کے بچوں کے بار کو برداشت کرنے کی ذمہ دار ہیں اور مردوں کو نماز جمعہ و جماعت، تشیع جنازہ، جہاد وغیرہ کے ثواب حاصل کرنے کے مواقع ہیں اور جب وہ جہاد کو جاتے ہیں تو ان کے اموال کی حفاظت اور اولاد کی تربیت ہم کرتے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں آپ سے یا رسول اللہ صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا اجر و ثواب میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا مرد ہی سب ثواب کے حق دار ہیں۔

رسالت مآبؐ نے یہ تقریر سن کر اپنے اصحاب کی

طرف دیکھا اور فرمایا تم نے کبھی کسی عورت کی گفتگو سنی ہے جس نے اپنے دینی فرائض کے متعلق اس سے بہتر سوال کیا ہو۔ اصحاب نے کہا۔ بخدا یا رسول اللہ اس میں شک نہیں۔

اب رسولؐ اس خاتون کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا۔ جاؤ اے اسماء اور اپنی پوری جماعت کو اطلاع دے دو کہ تم میں سے ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھے عنوان سے نباہ کرنا اور اس کی رضا مندی کی کوشش کرتے رہنا اور اس کی اطاعت کرنا ثواب میں ان تمام عبادتوں کا قائم مقام ہے جن کا مردوں کے لئے تم نے ذکر کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ عورت واپس ہوئی اس طرح کہ تکبیر و تہلیل کرتی جا رہی تھی اور جوش مسرت کا اظہار کر رہی تھی۔

(استیعاب، ج ۲، ص ۷۶۶)

اپنے ذاتی خیالات کو علیحدہ رکھ کر صبر و سکون کے ساتھ اس گفتگو پر غور کیجئے۔ تو آپ بھی میری طرح اس نتیجہ تک پہنچیں گے کہ اگر تمدن اسلامی میں کوئی بھی گنجائش ہوتی عورت کو پردہ سے باہر لانے اور مردوں کے دوش بدوش ہر شعبہ حیات میں حصہ لینے کی تو رسولؐ کو اس کے جواب میں ان امکانات کی طرف ضرور اشارہ فرمانا چاہیئے تھا۔

اس کے برخلاف اس نے مرد اور عورت کے نظام تمدن کے بالکل مختلف ہونے اور طبقہ خواتین کی آئینی و اصولی مجبوریوں کا جو خاکہ کھینچا تھا اس میں آپ نے اس کی سمجھ کی تعریف فرمائی اور ان تمام مجبوریوں کو ایک طرح تسلیم کر لیا اور اس پر مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ بے شک عورتیں پردہ کی مجبوری کی وجہ سے نماز جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہو سکتیں تشیع جنازہ کی فضیلت کو حاصل نہیں کر سکتیں اور جہاد کے مراتب پر فائز نہیں ہو سکتیں۔ ہاں اس کے ساتھ آپ نے اسے یہ کہہ کر تسکین دی کہ عورتوں کا اپنے نظام تمدن کا پابند رہنا ہی درحقیقت ان کا جہاد ہے اور اس سے ان کو وہی اجر و ثواب مل

جائے گا جو مردوں کو اپنی قسم کے جہاد سے ملتا ہے۔

اس کے بعد تو کوئی موقع نہیں یہ کہنے کا کہ اسلام میں پردہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا وہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو میدان عمل میں لانے کا حامی ہے۔

زنِ اجنبیہ کی طرف نظر کرنے کی حرمت صحابہ رسولؐ میں اتنی مسلم ہو گئی تھی کہ اگر کوئی اس کے برخلاف عمل کرتا تو اس پر اعتراض کیا جاتا اور اسے اپنے طرز عمل کی تاویل پیش کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ سہل بن ابی خثمہ کا بیان ہے کہ میں محمد بن مسلمہ کے پاس بیٹھا تھا اس اثناء میں ان کے ایک ہمسایہ مکان سے شبینہ بنتِ صحاک برآمد ہوئی۔ وہ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے تو میں نے کہا ماشاء اللہ تم صحابی رسولؐ ہو کر ایسا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا میں پیغمبرؐ کا یہ ارشاد سن چکا ہوں کہ اگر دل میں کسی کی خواستگاری کا سوال پیدا ہو تو اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(استیعاب، ج ۲، ص ۷۳۱)

رسولؐ کے بعد خواتین اسلام میں اور بالخصوص خاندانِ رسولؐ کی خواتین میں بہ تعلیم قرآنِ جلاب یعنی سر سے پاؤں تک کے برقع کا رواج ہو گیا تھا جس سے چہرہ بھی بالکل چھپا ہوا رہتا تھا اور کسی ایک حصہ جسم پر بھی کسی کی نظر پڑنا ممکن نہ تھی اس کے شواہد جستہ جستہ تاریخِ اسلامی کے واقعات میں موجود ملتے ہیں۔ مثلاً اس وقت جب امیر المومنینؑ جنگِ جمل کے لئے تشریف لئے جارہے تھے اور منزل ذی قار میں اترے تو ام المومنین عائشہؓ نے بصرہ سے حفصہ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں اپنی فوجی طاقت و قوت اور معاذ اللہ جناب امیرؑ کے مرعوب و خائف ہونے کا ذکر تھا۔ حفصہ نے اس پر ایک جشنِ مسرت کیا۔ مدینہ کی عورتیں آرہی تھیں اور خوشیاں کی جارہی تھیں۔ یہ واقعہ حضرت ام کلثومؓ دختر امیر المومنینؑ کو معلوم ہوا فلپست جلا بیہا و دخلت

عليهن في نسوة متكفرات ثم اسفرت عن وجهها فلما عرفتها حفصة نجلت واسترجعت۔

جناب ام کلثومؓ نے برقع و چادر میں اپنے کو نہاں کیا اور کچھ عورتوں کے حلقہ میں حفصہ کے مکان پر پہنچ کر برقع چہرہ سے ہٹایا جب حفصہ نے پہچانا تو وہ شرمندہ ہوئیں اور آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس خط کو چاک کر ڈالا۔

(الدرجات الرّفعیہ سید علی خان مدنی)

یہ ۳۶ھ کا تذکرہ ہے ۶۱ھ میں کر بلا کا عظیم الشان واقعہ رونما ہوتا ہے جس میں حضرت امام حسینؑ نے جس طرح تمام اسلامی تعلیمات کی اہمیت دنیا کو سمجھائی اُسی طرح پردہ کے اصول اور عورتوں کے اسلامی نظام تمدن کی وہ مستحکم بنیاد قائم کر دی جسے شکوک و توہمات کی آندھیاں متزلزل نہیں کر سکتیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کر بلا میں حق و باطل کی جنگ تھی۔ نصرتِ دین کا سوال تھا اور دشمنانِ اسلام کا مقابلہ تھا۔ کوئی شک نہیں کہ حمایتِ حق اور نصرتِ دین جس طرح مردوں کا فریضہ ہے اُسی طرح عورتوں کا فریضہ ہے۔ مگر طریقہ کار اس کا دونوں کے لئے یکساں ہونا چاہیے۔ یا مختلف؟

موجودہ تمدن جو عورتوں کو پردہ وغیرہ کی پابندیوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ طریق کار دونوں کا ایک ہے۔ جس صورت سے مرد نصرتِ حق کے لئے میدان میں آتا ہے اسی طرح عورت کو بھی آنا چاہئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مردوں کی تعداد اتنی نہ ہو کہ وہ ظالم کی مادی قوت کا خاتمہ کر سکیں اور خصوصاً اس حالت میں کہ جب مرد اپنا کام انجام دے کر گزر چکے ہوں اور اب سوائے عورتوں کے کوئی باقی نہ ہو۔ ایسی حالت میں تو مرد و عورت کے درمیان کوئی خط فاصل کھینچنا موجودہ خیالات کے لحاظ سے صحیح ہی نہ ہوگا۔ مگر یہ ایک حقیقت ثابتہ اور ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ

حضرت امام حسینؑ نے جو اپنے وقت میں اسلامی اقدار کے تحفظ کے واحد ذمہ دار تھے کربلا کے میدان میں پردہ اور مخصوص نسوانی نظام تمدن کی وہ اہمیت ثابت کی ہے جو اس کے پہلے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی۔

آپ دیکھتے تھے کہ ایک طرف کم از کم تیس ہزار کاشکر اور ایک طرف زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو کے قریب مجاہدین جن میں ضعیف العمر بوڑھے بھی اور صغیر لسن بچے بھی داخل۔ بوڑھے جہاد بالسیف سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ قاسمؑ کے ایسے نابالغ بچے مستثنیٰ نہیں رہے۔ مگر عورتیں جہاد بالسیف سے اس سخت وقت پر بھی مستثنیٰ رکھی گئیں۔ کوئی بہادر عورت جیسے ام وہب زوجہ عبید اللہ بن عمیر عمود لے کر میدان میں بھی آگئی تو امام حسین علیہ السلام نے یہی کہہ کے واپس فرمایا کہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت زینب الکبریٰؑ اور ام کلثومؑ میں جرأت و شجاعت کا جو ہرام وہب سے کم تھا مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسا نہیں بتاتی کہ ان میں سے کسی مقدس خاتون نے اس طرح کا اقدام کیا ہو، کیوں؟ اس لئے کہ نظام اسلامی جو عورت کے لئے ہے وہ ان کے دل و دماغ میں راسخ تھا۔ یہ ایسا ارادہ کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ زینبؑ و ام کلثومؑ کا کیا ذکر جو رسولؐ کے گھرانے کی بیٹیاں تھیں۔ ام لیلیٰؑ، ربابؑ اور مادر قاسمؑ ایسی خواتین نے بھی جو صرف اس خاندان کے ساتھ بہو ہونے کا رشتہ رکھتی تھیں قدم آگے نہیں بڑھایا اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ معاذ اللہ ان کے دل میں نصرت اسلام کا ولولہ جوش نہ تھا۔ ضرور تھا۔ مگر یہ سمجھتی تھیں کہ ہمارے لئے اسلامی نظام تمدن میں ایسا کرنا روا نہیں ہے۔

بڑے سخت مواقع تھے وہ جب کوئی کڑیل جوان میدان میں مصروف جہاد ہے، کوئی کم سن بچہ معرکہ قربانی میں حق وفا ادا کر رہا ہے، کوئی جان سے زیادہ عزیز بھائی نزعہ میں گھرا ہوا ہے اور اس وقت مامتا رکھنے والی ماں، اور دل و

جان سے فدا ہونے والی بہن پردہ کی پابندی کے ساتھ خیمہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے مگر واقعہ یہی تھا۔

یاد کیجئے وہ سخت ترین موقع کہ جب تمام عزیز و انصار شہید ہو چکے تھے۔ اکیلے امامؑ نزعہ اعدا میں گھرے ہوئے زخموں سے چور اور آخر میں بجائے پشت فرس کے زمین گرم پر افتادہ تھے اور دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے سر کو قلم کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے۔ کیا اگر اس وقت خاندان بنی ہاشم کی تمام خواتین تلواریں لے کر فوج دشمن پر ٹوٹ پڑتیں اور امام حسینؑ کو اپنے حلقہ میں لے لیتیں تو سر حسینؑ آسانی سے قلم ہو جاتا؟

کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت کربلا کی تاریخ کس صورت پر لکھی گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ کیا زینبؑ و ام کلثومؑ کی رگ و پے میں وہی خون گردش نہیں کر رہا تھا۔ جو ابوالفضل العباسؑ بلکہ خود حسینؑ کی رگوں میں گردش کر رہا تھا۔

کیا حضرت علی بن ابی طالبؑ کی شجاعت و جرأت میں بیٹیوں کا کچھ بھی حصہ نہیں تھا۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔ مگر کیا تھا؟ وہی جان بھائی اور اولاد سب سے زیادہ عزیز اصول اسلام کا لحاظ جو زنجیر بن کر ان کے درد رسیدہ بے کس بیٹیوں کو آخر تک جکڑے رہا۔

سب کچھ ہو گیا مگر وہ اسی جگہ بیٹھی رہیں کہ جہاں حضرت امام حسینؑ بٹھا گئے تھے۔ اس وقت تک کہ جب تک وہ جگہ یعنی خیمہ باقی رہے۔ ہاں جب خیموں میں آگ کے شعلے بلند تھے اور ظالموں کے ہاتھ سروں کی چادروں ہی کو نشانہ ظلم بنائے ہوئے تھے تو ناموس اسلام کو عملی طور پر حل کرنے کی ضرورت تھی۔ جس میں ان کے قدم پیچھے نہیں رہے۔

اب اس وقت انہیں بھائی بیٹوں اور عزیزوں کے تمام داغوں سے بڑھ کر داغ جو تھا وہ بے پردگی کا داغ تھا اور

جب درد دل کے اظہار کا وقت آیا تو تمام مصائب میں شدت و قوت کے ساتھ اسی مصیبت کا اظہار کیا گیا۔ اس موقع پر جب ثانی زہرا حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو دربار میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ یادگار زمانہ الفاظ تاریخی دنیا میں پردہ کی اہمیت کا ابدی ثبوت بن کر آپ کی زبان پر آرہے تھے۔

امن العدل یا ابن الطلقاء تحذیرك
حرائك وامائك وسوقك بنات رسول الله صلى
الله عليه وآله سبایا قد هتكت ستورهن
وابدیت وجوهن یتصفح وجوهن القریب
والبعید والدنی والشریف۔

”کیا یہی انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ میں بٹھا رکھا ہے اور دختران پیغمبر خدا کو قید کر کے بے پردہ پھرایا اور چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ غضب ہے کہ نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند ہر طرح کے آدمی ان کے چہروں پر نظر ڈالتے ہیں۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ثانی زہرا حضرت زینبؓ کبریٰ اپنی سب سے بڑی مصیبت اس بے پردگی کو سمجھتی تھیں اور اس کا خصوصی طور پر آپ نے تذکرہ فرمایا۔

آل رسول کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ پردہ کا قانون تمام مسلمانوں میں مسلم رہا اور بعد کی صدیوں میں برابر اس پر عمل ہوتا رہا۔

چوتھی صدی ہجری تک میں پردہ نہ صرف غریب اور متوسط طبقہ میں رائج تھا جو عموماً مذہب کے زیادہ پابند ہوتے ہیں بلکہ امرا و اہل دولت میں بھی اس کا رواج عام تھا اور وہ معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔

اس کا پتہ ابوالفراس حمدانی کے اشعار سے چلتا ہے۔ جو خود خاندان ملوک سے اور اس وقت کے بلند طبقہ کے تمدنی رجحانات کا ترجمان ہے۔

وہ کبھی یوں کہتا ہے:

وما انس لا انس یوم المغار
محجة لفظته الحجب
”مجھے وہ دن نہیں بھولتا جب ہنگامہ جنگ میں پردہ دار عورت کو پردہ سے باہر نکلتا پڑا۔“

کبھی اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے یوں کہا:
نوحی علی بحسرة!!
من خلف مترك والحجاب
”مجھ پر حسرت و اندوہ کے ساتھ اپنے پردہ و حجاب کے پیچھے بیٹھ کر ہی نوحہ کرتی رہنا۔“
کبھی محل تشبیب میں بلند نسوانی تمدن کی تصویر کشی یوں کی ہے:

وادیبة اخترتها عربية
تعزى الى الجد الكريم الاكرم
محجوبة لم تبذل اماراة
لم تاتم مخدومة لم تخدم
”وہ مہذب اور تربیت یافتہ عربی خاتون مجھے پسند ہے جو بزرگ مرتبہ باپ دادا کی طرف نسبت رکھتی ہے پردہ دار ایسی کہ جو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ حکمرانی کرنے والی جو کسی کی محکوم نہیں بنی۔ دوسروں سے خدمت لینے والی جسے خود خدمت کرنا نہیں پڑی۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ میں رہنا اس وقت عورت کی ذلت نہیں بلکہ عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔
چھٹی صدی ہجری میں شاہان روزگار کی عورتیں اور ملکہ آفاق بننے والی خواتین تک سختی سے پردہ کی پابند تھیں۔

ابن جبر نے سفرنامہ میں اپنے سفر حج کا تذکرہ کرتے ہوئے سلجوق نامی ایک شہزادی کا حال لکھا ہے۔ جس کے باپ عزالدین مسعود کے حدود مملکت اس وقت کی چارمہینہ

کی راہ کے رقبہ میں تھے اور جسے بادشاہ قسطنطنیہ جزیہ ادا کرتا تھا۔ وہ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی جس پر طلاکار پردے آویزاں تھے۔ اور ہودج کے آگے اور پیچھے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

وہی ظاہرۃ فی وسطہ متنقبۃ وعصابۃ
ذہب علی راسہا۔

”وہ اس ہودج کے بیچ میں بیٹھی ہوئی سب کو نظر آتی تھی مگر چہرہ پر نقاب پابند مذہب مسلمان ہمیشہ اس کے پابند رہے ہیں۔
پردہ کی چوتھی قسم

یہی بظاہر سب سے موزوں جگہ ہے کہ یہاں پردہ کی چوتھی قسم یعنی چار دیواری کے پردہ کے متعلق ایک واضح تبصرہ کر دیا جائے۔

اس کی تشریح کی جا چکی ہے کہ اس پردہ سے مراد ہے ایک ایسا حاجب و حائل جس کی وجہ سے نہ صرف جسم کا رنگ اور سطح نگاہ سے مخفی ہو بلکہ شکل و مقدار کا بھی اندازہ ہو سکے۔ یعنی یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ عورت لائبی ہے یا ٹھنکنی، موٹی ہے یا دلی، سڈول جسم رکھتی ہے یا ناہموار، بلکہ بسا اوقات پردہ ہی نظر آئے یہ بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے اندر کوئی ہے بھی یا نہیں۔ اس میں چار دیواری کے علاوہ ڈولی فینس اور جو پہلے کا پردہ یا پردہ دار گاڑی وغیرہ بھی داخل ہے اس پردہ کی پابندی صرف ہمارے ہندوستان کے صوبہ یوپی کے شہروں میں شرفاء کے طبقہ کے اندر ہے۔ تمام عالم اسلامی عراق و حجاز و ایران اور یوپی میں بھی دیہاتوں کے اندر اکثر و بیشتر اور شہروں میں غیر شرفاء کے مسلمان طبقوں میں اس کا رواج اس وقت بھی نہیں رہا۔ جب کہ مذہب کی پابندی زور پر تھی اب کا ذکر نہیں جب کہ یوپی کیا لکھنؤ کے عام شرفاء کیسے بعض معزز سادات کے گھرانے کی عورتیں تک پردہ کو بالکل خیر باد کہہ کے آزاد ہو چکی

ہیں اور بیگم کے بجائے لیڈی کہلانا باعث اعزاز سمجھ رہی ہیں۔ موجودہ پردہ کے مذہبی دنیا میں عام طور سے رائج نہ ہونے اور صرف اس محدود حلقہ میں رائج ہونے کی بنا پر بسا اوقات اسے غیر شرعی پردہ کہا جاتا ہے۔ اور شرعی پردہ سے مراد لیا جاتا ہے۔ وہ تیسری قسم کا پردہ جو صرف برقع یا چادر اور اعڑا کے سامنے جن سے پردہ کرانا منظور بھی ہے اکثر صرف دوپٹے کی آڑ سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ پورا ہو گیا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں یقیناً حد شرعی کی خلاف ورزی ہے کہ یہ پردہ ایسے باریک ململ کے دوپٹے سے بھی ہو جاتا ہے۔ جو حقیقتاً ساتر نہیں یعنی اس کے اندر سے شکل و شمائل نظر آتی ہے مگر اسے بھی بیچاری بے زبان شرع کے سرمنڈھ کر کہہ دیا جاتا ہے کہ شرعی پردہ مگر میں اس شرعی وغیر شرعی کی موجودہ اصطلاح پڑی تھی اور ایک طلاکار رومال نقاب کے اوپر سے اس کے سر پر بندھا ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں پردہ کی اتنی پابندی تھی کہ سفر کے عالم میں اور سواری پر بھی جب کہ آج کل کی بعض پردہ دار خواتین بھی پردہ ضروری نہیں سمجھتیں اور اپنے شہر کے اسٹیشن سے ریل کے چلتے ہی وہ پھر برقع اتار دیتی یا کم از کم نقاب الٹ دیتی ہیں اور بعض ہمارے والیان ملک کی بیویاں اپنے شہر میں پردہ کرتی ہیں مگر غیر ملک میں جا کر پردہ الٹ دیتی ہیں اور اپنی بے پردہ تصویریں اخباروں میں شائع ہونے کو بھی ناپسند نہیں کرتیں۔ بلکہ شاید حسن و جمال کی تعریف کے ساتھ ان تصویروں کی اشاعت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہیں۔ مگر ملک عرب کی ایک ملکہ حالت سفر میں بھی اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔

ساتویں صدی ہجری میں پردہ کی ہمہ گیری مسلمانوں میں اتنی تھی کہ علامہ حلی رحمہ اللہ تذکرۃ الفقہاء میں فرماتے ہیں۔
لا تفاق المسلمین علی منع النساء من ان یخرجن سفارات۔

”تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کو کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ باہر نہیں نکلنے دیتے۔“

گیارہویں صدی ہجری تک برابر یہ عمل درآمدی ہمہ گیری کے ساتھ رہا۔ اس لئے فاضل ہندی تاج الدین حسن بن مخرصفہانی نے کشف اللثام میں یہ الفاظ لکھے:

الاطباق في الاغصان على المنع من خروجهن سافرات وامنما يخرجن مستحرات۔

ہر زمانہ میں اس عمل درآمد پر اتفاق رہا ہے کہ عورتیں کھلے چہروں کے ساتھ گھر سے نہ نکلیں وہ نکلتی ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اس کے بعد سے آخری صدیوں کا عمل درآمد تقریباً یا حقیقتہً ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے۔ یہ ہر زمانہ کے پابند شرع مسلمانوں کا عمل درآمد خود ایک قطعی ثبوت ہے اس کا کہ پردہ نظام اسلامی کا ایک جزو اور تمدن مذہبی کا ایک ضروری اصول ہے اور اسی لئے اسے متفق نہیں ہوں۔ میرے نزدیک وہ یوپی کے شرفاء والا پردہ بھی غیر شرعی نہیں ہے، شرعی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ برفع و چادر والا پردہ کم از کم اور ناگزیر درجہ پردہ کا ہے جس کے بغیر پردہ کی پابندی ہو ہی نہیں سکتی اور یہ چار دیواری کا پردہ ایک بلند درجہ ہے جس کا حکم شرع میں موجود ہے مگر سب پر اس کی پابندی فرض نہیں ہے۔ دوسری لفظوں میں وہ پردہ واجب ہے اور یہ پردہ مستحب ہے۔ لیکن اگر نماز فردی کے کافی ہو جانے سے نماز جماعت غیر شرعی نماز نہیں قرار پاسکتی تو تیسری قسم والے پردہ کے کافی ہونے سے چوتھی قسم کا پردہ غیر شرعی پردہ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ پردہ امہات المؤمنین یعنی ازواج رسول کے لئے ایک فریضہ مخصوص کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ ان کے واسطے یہ خصوصیت خاص تھی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر کہیں جائیں ہی نہیں اور حتی الامکان اپنے مکان کی پابند رہیں انھیں حکم تھا کہ ”قرن فی بیوتکم“

”اپنے گھروں کے اندر بیٹھی رہو۔“ قرن کی لفظ بعض لوگ وقار سے مشتق قرار دیتے ہیں مگر علامہ ابوالبقاء رزی نحوی متوفی ۱۳۳ھ نے تصریح کی ہے کہ اسے قرن پڑھا جائے ق کے کسرہ کے ساتھ تو وقار کے معنی ہو بھی سکتے ہیں لیکن قرن بفتح ق پڑھنے کی صورت میں جو مشہور اس کی قرأت ہے وہ صرف قرار سے مشتق ہو سکتا ہے (التبیان فی اعراب القرآن)

شریبی مفسر نے لکھا ہے قرن کے معنی ہیں اسکن وامکثن دائماً۔ ساکن رہو اور ٹھہرو ہمیشہ بعض ازواج مقدسات نے اس کی اتنی پابندی کی کہ حج اور عمرہ مستحبی کو ترک کر دیا۔ جناب سودہؓ سے کسی نے پوچھا آپ حج اور عمرہ کو نہیں جاتیں۔ انہوں نے کہا کہ حج اور عمرہ تو میں پہلے کر چکی ہوں۔ اب مجھے اللہ کا حکم یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں برقرار رہوں۔ میں تو اپنے گھر سے نکلوں گی نہیں جب تک دنیا سے رخصت نہ ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سودہ اپنی زندگی بھر اپنے حجرہ سے نہیں نکلیں یہاں تک کہ مرنے کے بعد جنازہ بس حجرہ سے باہر آیا۔ (سراج منیر ص ۲۳۹)

بضعة الرسول حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے کمال نسوانی کی منزل جس سے عورت اپنے رب سے تقرب حاصل کر سکتی ہے اسی کو قرار دیا فرمایا ادنیٰ ما تکون من رہا ان تلزم قعر بیتھا۔ بہترین درجہ تقرب حضرت باری کا اسے یوں حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہنے کی پابند رہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاب کا بلند درجہ جو سب ہی عورتوں کے لئے پسندیدہ ہے وہ یہی ہے۔

چنانچہ عورتوں کے لئے بند رکھے جانے اور گھروں کے اندر رہنے کا حکم عمومی حیثیت سے وارد بھی ہوا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث امام جعفر صادقؑ سے جس میں فرمایا ہے۔ فاحسبوا نساءکم یا معاشر الرجال۔ اپنی عورتوں کو بند رکھو۔ ایسے ہی

الفاظ علل الشرائع کی حدیث میں میں ایک حدیث میں ہے۔
فحصتوا لهنّ فی البیوت۔ گھروں میں قلعہ بند رکھو انہیں۔
کچھ حدیثوں میں باختلاف الفاظ اس طرح ہے کہ
النساء عی و عورة فاستروا عیہنّ بالسکوت
واستروا عورتھنّ بالبیوت۔

کادیکھا ہے۔ میں وہ آپ کو بنا کر دکھاؤں گی غالباً آپ اسے پسند فرمائیں گی چنانچہ اسماء نے تابوت کی ایک شکل بنا کر سیدہ عالم کو دکھائی آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور اپنے والد بزرگوار جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نے آپ کو ہنستہ نہ دیکھا تھا آج اتنا خوش ہوئیں کہ تبسم فرمانے لگیں۔ اسماء تم نے میرے پردہ کا انتظام کیا۔ اللہ روز قیامت تمہارا پردہ رکھے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی لاش تابوت میں اٹھائی گئی۔ اس کے بعد ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس طرح کا پردہ جو قد و قامت کو بھی مخفی کر سکے غیر شرعی پردہ ہے۔



یہ چند بند اہل نظر کو پسند ہیں
تحسین و آفریں کی صدا میں بلند ہیں

Mohd. Alim

مقتل الحسین ضحاک مشرقی واقعہ کربلا کا قدیم ترین ماخذ

علامہ سید محبتی حسن صاحب قبلہ کا مونپوری

ضحاک کا تعارف

ضحاکؒ کے والد کا نام ”عبید اللہ“ ہے۔ یہ قبیلہ بنی مشرق کے ایک فرد تھے جو ”ہمدان“ کے مشہور قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ اسی نسبت سے مشرقی کہلاتے ہیں۔ یہ تابعی تھے۔

رجال کبیر آغا مرزا محمد استرآبادیؒ میں لکھا ہے کہ ضحاکؒ امام زین العابدینؑ کے صحابی تھے۔ علامہ مامغانی نے بھی تنقیح المقال میں یہی درج کیا ہے۔ شیخ طوسیؒ نے بھی ضحاکؒ کو زین العابدینؑ کے احباب میں شمار کیا ہے۔

مؤرخ طبری ج ۶ ص ۲۳۰ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ضحاکؒ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے۔ انہوں نے حضرتؑ سے کہا تھا کہ میں آپ کی مدد اس وقت تک کروں گا جب تک میری مدد سے آپ کو کچھ فائدہ پہنچے گا اور حضرتؑ نے اس شرط کو منظور فرمایا تھا۔ عاشور کے دن مناسب وقت پر ضحاکؒ نے دشمن کی فوج سے مقابلہ کیا اور آخر میں امامؑ سے واپسی کی اجازت حاصل کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گئے۔

علامہ محمد بن شیخ طاہر سادوی مرحوم نے ”البصار العین فی انصار الحسین“ (۳۲-۷۱) میں دو جگہ پر ضحاکؒ کا ذکر کیا ہے اور عاشور کی رات کے ذکر میں لکھا ہے کہ ضحاکؒ نے امامؑ سے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ آپ کی طرف سے اس وقت تک جہاد کروں گا جب تک آپ کو فائدہ پہنچے گا مگر جب دفاع کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا تو میں واپس جاسکوں گا۔

ضحاکؒ کا واقعہ ایک خاص نوعیت رکھتا ہے۔ وہ امامؑ کے حامی اور مخلص تھے۔ امامؑ کی طرف سے جہاد کیا۔ دو ظالموں کو

قتل بھی کیا اور آخر وقت تک امامؑ کی حمایت میں مشغول رہے۔ مگر اپنے مقروض ہونے کی وجہ سے مشروط نصرت کی تھی اسی شرط کے مطابق امامؑ سے اجازت لے کر واپس چلے گئے۔ ضحاکؒ نے جب کربلا کا چشم دید حال بیان کیا تو کربلا میں اپنی شرکت کے واقعہ سے شروع کیا اور عاشور کے دن اپنے واپس جانے کے حال پر ختم کیا۔

ضحاکؒ نے اپنی زندگی میں بارہا اس واقعہ کو بیان کیا ہوگا اور ان کے بیان کی روشنی میں اس واقعہ کے تفصیلات علمائے تاریخ کو ملے ہوں گے لیکن مجھے ان کی صرف ایک نشست کا بیان مل سکا ہے۔

کربلا کے واقعہ کے بعد ضحاکؒ نے امام زین العابدین علیہ السلام کی صحابیت کا شرف حاصل کیا۔

اصل واقعہ کے بعد کربلا کے واقعات کی نشر و اشاعت بھی ضحاکؒ کی ایک مہتمم با شان خدمت ہے۔

ضحاکؒ کو مسلمانوں کے ہر حلقہ میں وجاہت کی نظر سے دیکھا گیا۔ صحیح بخاری میں بھی ان کی ایک روایت درج ہے۔

میں عن الضحاک المشرقی عن ابی سعید الخدری قال۔ قال رسول اللہ ﷺ لا صحابہ الیجز احدکم ان یقر ثلث القرآن فی لیلۃ۔۔۔ تیشخ ابن التیمیہ دمشق مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ

ضحاک مشرقی اور قرض

قرض سکونِ قلب و دماغ کو سلب کر لیتا ہے۔ قرض لینا آسان اور اس کی ادائیگی دشوار ہے۔ لیتے وقت فائدہ پہنچتا ہے۔ دیانتدار و غیرت مند و فرض شناس ہی قرض ادا کرتے ہیں قرض و فرض میں اگرچہ ایک نقطہ کا فرق ہے مگر حقیقت وہ دونوں

حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کسی کو رضائے الہی کے لئے قرض دے تو جب تک مال واپس نہیں ہوتا اسے اس پر صدقہ کا اجر ملتا رہتا ہے“

(من لاسخضرہ الفقہ ابن ابویقین ج ۳ صفحہ ۳۳۹ رفوع کافی کتاب الزکوۃ)
سورہ نسا میں قرض کو ”معروف“ کہا گیا ہے

قرآن مجید نے دائن و مدیون دونوں کے مفاد کو ملحوظ رکھا ہے۔ حکم دیا کہ جب قرض کا معاملہ ہو تو کوئی کاتبِ عادل اس کی کتابت کرے تاکہ ضرورت کے وقت سند موجود رہے۔

(سورہ بقرہ آیت ۲۸۳)

دائن کو ”مدیون“ کی طرف متوجہ رہنے کی سفارش کی۔
قرآن میں ہے اگر مدیون ادائیگی سے عاجز ہے تو مدت بڑھا دے تاکہ گنجائش کے وقت ادا کر دے اور اگر اسے بالکل دے دو (صدقہ) تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے (۲۸۰-۲۸۱ بقرہ)
حدیث میں ہے کہ مقروض کو جتنے دن مہلت دی جاتی ہے دائن کو اس وقت تک ہر روز صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

(ج ۲ ص ۳۴۰ رفوع کافی)

اگر کوئی مدیون ادائیگی سے عاجز ہے تو اسلامی حکومت اسے ”مد زکوۃ“ سے ادا کر دیتی ہے۔ قرآن مجید میں مستحقین زکوۃ کی فہرست میں مدیون بھی شامل ہے۔ (سورہ توبہ آیت ۱۰)
امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے۔ قرض کی ادائیگی کے لئے دائن ”مدیون“ کو گھرا اور خادم کے بیچنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہر انسان کو رہنے کے لئے گھرا اور خدمت کے لئے خادم کی ضرورت ہے۔

واقعی ضرورت کے موقع پر اگر کوئی کسی مومن کو قرض نہیں دیتا تو وہ قابلِ مذمت ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ نادہند قرض داران کی ہمت کو پست کر دیتے ہیں اور بہت سے بے ضرورت قرض لیتے ہیں۔ دوسرے کی محنت کے روپیہ سے لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔ اسلام نے بے ضرورت قرض کی مذمت کی ہے۔ نادہند کو سوسائٹی کا مجرم قرار دیا ہے اور قرض کی ادائیگی پر ذہن کو بیدار کیا

ایک ہی چیز ہیں اور ان میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں۔ جہاں ایسے سخت دل ہیں کہ کسی کی بد سے بدتر حالت سے بھی ان کا دل نہیں پسپتا وہاں ایسے کریم انفس بھی ہیں کہ دوسروں کی واقعی پریشانیوں میں وہ قرض سے مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انہیں واپسی کا اطمینان ہو لیکن ایسے بہت کم ہیں جن کے سینے میں قرض کا نئے کی طرح چبھتا ہو۔

قرض کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ بعض قرض ناگزیر مجبوریوں اور ناگہانی ضرورت کی وجہ سے لیا کرتے ہیں۔ بعض بد سلیقہ اپنا آمد و خرچ متوازن نہ رکھنے کی وجہ سے مقروض رہتے ہیں۔ بعض اپنی موجودہ حالت کا صحیح تصور نہیں کرتے اور اپنا ایک فرضی معیار ذہن میں رکھتے ہیں اور مفروضہ اعزاز کے بقا و تحفظ کے لئے آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ بعض داعی عیش دینے کے لئے قرض لیتے ہیں یا آئندہ مزید دولت پیدا کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں۔ نیک دل مدیون کوئی نہ کوئی صورت قرض کی ادائیگی کی اپنے ذہن میں رکھتے ہیں اور اس کے لئے فکر مند رہتے ہیں۔ نادہند قرض کو شیر مادر بلکہ مالِ غنیمت سمجھتے ہیں۔ روماء۔ عرب۔ ہندوستان اور یہودیوں میں اگر کوئی شخص قرض نہ کرتا یا قرض ادا کرنے سے عاجز رہتا تو اسے غلام بنالیا جاتا۔

اسلام نے پریشان حالوں کی صحیح ضرورت پر انتہائی ہمدردانہ نظر رکھی۔ اسلامی نقطہ نظر سے اگر سماج کی تعمیر ہو تو جماعت کی ہر فرد دوسری فرد کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرتی اور حکومت ”رعایا“ کو افلاس و بیماری و جہالت کا شکار نہ ہونے دیتی۔ اسلام نے قرض کو اخلاقی تعاون کی حیثیت دی ہے اگر کوئی جائز و شدید ضرورت کی وجہ سے قرض کا محتاج ہے تو بجائے دستِ سوال دراز کرنے کے قرض لے سکتا ہے۔ اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ عیب اسی لئے خداوندِ عالم نے قرض کو اپنی طرف نسبت دی تاکہ شدید و سخت مواقع پر زندگی کے تحفظ کے لئے کوئی قرض لینے سے حیا کر کے زندگی کے نقوش نہ مٹنے دے۔

قرآن مجید میں ہے۔ ”خدا کو قرض حسنہ دو“ (سورہ لقابن آیت ۶)

اس کا کفارہ صرف اس کی ادائیگی ہے۔ خواہ مدیون ادا کر دے یا حقدار معاف کر دے۔

ضحاکؒ مقروض تھے قرض کی ادائیگی کے سوا ان کے لئے کوئی راہ نہ تھی اسی لئے انہوں نے اور مالک بن نضر ارجبی نے امامؑ کے سامنے صورت حال رکھی تو امامؑ نے سکوت فرمایا ان کے عذر کو تسلیم فرمایا۔ ضحاکؒ نے ایک تیسری شکل نکالی جسے امامؑ نے منظور فرمایا۔ انہوں نے قرض کی اہمیت اور امامؑ کی رفاقت و خدمت دونوں کو سامنے رکھا اور دونوں فرض سے عہدہ برآ ہوئے۔ ان کی زندگی سے ہمیں یہ فائدہ پہنچا کہ کربلا کے صحیح واقعات کا علم ہمیں جن ذرائع سے ہوا ان میں ضحاکؒ کے ایسے معتبر و عینی شاہد بھی شامل ہیں۔

مقتل الحسین ضحاکؒ بن عبید اللہ مشرقی تدوین و ترجمہ

تدوین و ترجمہ: علامہ سید مختاری حسن صاحب قبلہ، کامونپوری

۱۔ ضحاکؒ اور مالک کا کربلا میں آنا

”ابو مخنف“ کہتے ہیں۔ مجھ سے ”عبد اللہ بن عاصم فاشی“ نے بیان کیا۔ ان سے ضحاکؒ بن عبید اللہ مشرقی نے کہا کہ میں اور ”مالک بن نضر ارجبی“ دونوں امام حسینؑ کے پاس گئے۔

ہم نے سلام کیا اور حضرت کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرتؑ نے سلام کا جواب دیا، ہمارا خیر مقدم کیا اور آنے کا سبب پوچھا۔ ہم نے عرض کیا آپ کے سلام کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور خدا سے آپ کے لئے خیر و عافیت کی دعا مانگنے، آپ سے ملنے اور آپ کو لوگوں کے حالات کی اطلاع دینے کے لئے بھی۔ اس پر آپ غور فرمالیں کہ لوگوں نے آپ سے جنگ کی تیاری کر رکھی ہے۔ امامؑ نے فرمایا: خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین وکیل ہے۔

ہم نے واپس ہونا چاہا۔ سلام کیا اور خدا سے حضرت کے لئے دعا کی۔

حضرت نے ارشاد کیا: ہماری مدد میں تمہیں کیا مانع ہے۔

ہے۔ ایک انصاری کا انتقال ہو گیا۔ اس پر دو دینار قرض تھے جناب رسولؐ خدا نے خود اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ فرمایا تم اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ کسی عزیز نے اس کے قرض کی ضمانت کر لی تو حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امامؑ نے فرمایا: جناب رسولؐ خدا نے ایسا اس لئے کیا کہ حضرت کے فعل سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور دوسرے کا قرض ادا کرنے کی طرف دلچسپی بڑھے اور قرض کو معمولی بات نہ سمجھیں۔

(کتاب المعیشۃ ۱/۲ افروع کافی)

جناب رسولؐ خدا فرماتے تھے (سخت) درو آ نکھوں کا ہے اور ”فکر“ قرض کی۔ (کتاب المعیشۃ افروع کافی ۲/۱) اگر کوئی مقروض نادہند ہوتا تو امیر المومنینؑ اسے قید کرتے اور قرض خواہوں میں اس کا مال تقسیم کر دیتے۔

(کتاب المعیشۃ کافی)

امیر المومنینؑ فرماتے تھے قرض نہ لو۔ یہ دن میں ذلت ہے اور شب میں پریشان فکری ہی ہے (کتاب المعیشۃ کافی) امام محمد باقر علیہ السلام (بیجا) قرض کے بار سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ (کافی)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے تھے اپنے عیال کے لئے روزی کمانے والا راہِ حق میں جہاد کرنے والے کی طرح محترم ہے اگر وہ مجبور ہے تو اتنا قرض لے جس سے دن کاٹ لے اور اگر وہ بغیر ادائیگی کے مر گیا تو حاکم وقت پر فرض ہے کہ ادا کر دے۔ (کافی)

آخر میں امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس سے ضحاکؒ بن عبید اللہ کی پوزیشن روشنی میں آتی ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں:

کل ذنب یکفر ۵ القتل فی سبیل اللہ الا الدین، لا کفارة له ۵ الا اداء ۵ ویقضى صاحبها ویعفو اللہ الذی له الحق۔ (۱۸ افروع کافی کتاب المعیشۃ)

شہادت سے ہر گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سوا قرض کے

اور اہل وعیال آپ پر فدا ہوں گے اور ہم آپ کی ہمراہی میں جہاد کریں گے یہاں تک کہ اسی چشمہ پر اتریں گے جس پر آپ اتریں گے۔ آپ کے بعد زندگی کا خدا برا کرے۔

۴۔ اصحاب کا جواب

مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور کہا۔ ہم آپ کو چھوڑ دیں، اور آپ کے حق کی ادائیگی میں خدا کے سامنے عذر کا سامان کریں۔ خدا کی قسم یہ نہ ہوگا۔ جب تک ہم دشمن کے سینہ میں اپنا نیزہ نہ توڑ دیں اور جب تک قبضہ ہاتھ میں ہے ان پر تلوار نہ مار لیں۔ میں آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ اگر میرے پاس جنگ کے لئے ہتھیار نہ ہوں گے تو آپ کے سامنے ان پر پتھر برساتے برساتے مر جاؤں گا۔

۵۔ سعد بن عبد اللہ حنفیؓ

نے کہا خدا کی قسم ہم آپ کو نہ چھوڑیں گے۔ جب تک خدا کے سامنے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو جائیں جو رسولؐ کے بعد آپ کے متعلق ہم پر تھی۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر جلادیا جاؤں۔ پھر میری خاک منتشر کر دی جائے اور یہ برتاؤ میرے ساتھ ستر بار ہو جب بھی آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے آخری موت آپ کے سامنے آجائے اور ثابت قدمی سے ایسا کیوں نہ کروں جب کہ قتل کا قصہ ایک ہی بار کا ہے اور آخر میں ہمیشہ ہمیشہ کی عزت ہے۔

۶۔ زہیر نے کہا

بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور اسی طرح ہزار بار قتل کیا جاؤں تو نہایت خوشی سے راضی ہوں۔ لیکن آپ اور آپ کے خاندان کے یہ جوان بچ جائیں۔

۷۔ ضحاکؓ

یہ بھی کہتے ہیں کہ دوسرے اصحابؓ نے بھی اسی سے ملتی جلتی گفتگو کی اور کہا خدا کی قسم ہم آپ کو نہ چھوڑیں گے جب تک ہماری جانیں آپ پر قربان نہ ہو جائیں۔

ہم اپنی گردنوں، پیشانیوں اور ہاتھوں سے آپ کو بچائیں

مالک بن نضر ارجبی نے کہا: مجھ پر قرض ہے، اور میرے بال بچے ہیں میں نے عرض کیا مجھ پر بھی قرض ہے اور میرے بھی اہل وعیال ہیں۔ لیکن اگر حضور مجھے واپسی کی اجازت دے دیں تو جس وقت تک کوئی لڑنے والا آپ کے ساتھ رہے گا میں اس وقت تک آپ کی طرف سے جنگ کرتا رہوں گا اور جب تک مقابلہ آپ کے لئے مفید ہوگا اور آپ سے ضرر کو دفع کرے گا میں مقابلہ اور دفاع کرتا رہوں گا۔

حضرتؓ نے فرمایا تم کو اجازت ہے۔

۲۔ عاشور کی رات

میں نے حضرتؓ کے ساتھ قیام کیا۔ جب رات ہوئی حضرت نے اپنے اصحابؓ کو جمع کیا اور فرمایا سب کو اجازت ہے رات کا پردہ حائل ہے اس میں چلے جاؤ۔ تم میں سے ہر ایک میرے اہل بیتؑ میں سے کسی ایک شخص کا ہاتھ پکڑے اور اپنے اپنے شہروں، دیہاتوں میں چلا جائے یہاں تک کہ خدا کشائش پیدا کرے یہ لوگ صرف میرے طلبگار ہیں جب مجھے پالیں گے تو پھر کسی دوسرے کی فکر نہ کریں گے۔

۳۔ بنی ہاشم کا جواب

امامؑ کے بھائیوں، فرزندوں، بھتیجیوں، اور عبد اللہ بن جعفرؓ کے فرزندوں نے کہا ہم ایسا کیوں کریں۔ کیا اس لئے کہ آپ کے بعد باقی رہیں؟ خدا ہمیں یہ دن کبھی نہ دکھائے۔ سب سے پہلے یہ بات ”عباسؓ بن علیؑ“ نے کہی۔

پھر سب نے اسی طرح اپنا خیال ظاہر کیا۔

حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے بنی عقیل تمہارے لئے مسلم کا شہید ہو جانا کافی ہے۔ جاؤ میں نے تمہیں اجازت دے دی۔

ان لوگوں نے کہا ہمیں دنیا کیا کہے گی کہ ہم نے اپنے بزرگ اور سردار اور بہترین چچا کو چھوڑ دیا۔ ان کے ساتھ رہ کر نہ کوئی تیر پھیکا۔ نہ کوئی نیزہ مارا اور نہ تلوار چلائی۔

خدا کی قسم ہم ایسا نہ کریں گے بلکہ ہماری جانیں، اموال،

”ابو حرب“ نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ اے بریر سخت مشکل ہے۔
بخدا تم ہلاک ہوئے۔ بریر بولے، اے ابو حرب کیا تم اپنے کبیرہ
گناہوں سے توبہ کرو گے۔

خدا کی قسم ہم پاک اور طیب ہیں۔ اور تم خبیث ہو۔
ابو حرب نے کہا: آپ کا ارشاد درست ہے۔
میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں۔
ضحاکؓ نے کہا۔ افسوس ہے۔ کیا تجھے تیری معرفت کچھ
فائدہ نہ دے گی۔

ابو حرب نے کہا۔
میں آپ پر قربان ہوں (تمسخر) معرفت سے کام لوں تو
یزید بن عذرہ عنبری کی مصاحبت وہم نشینی کون کرے گا۔
(یہ شخص دشمن کی فوج کا ایک سردار تھا اور اس وقت ابو
حرب کے ساتھ تھا)

ضحاکؓ نے کہا۔ خدا تیرا برا کرے۔ آخر تو احمق ہی تو ہے۔
اس کے بعد وہ تو ہمارے پاس سے چلا گیا۔ اور ایک اور
شخص ”عذرہ بن قیس“ اپنی فوج کا دستہ لے کر رات کو ہماری
نگرانی کرتا رہا۔

۹۔ فوج کی ترتیب

ضحاکؓ کا بیان ہے کہ جب عمر بن سعد نے ہفتہ کے دن
صبح کی نماز پڑھی تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا اور
میدان میں آیا۔ امام حسینؓ نے بھی اپنے اصحابؓ کی تنظیم فرمائی
اور ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت کے ساتھ بیس سوار اور
چالیس پیادہ تھے۔ جن کی ترتیب کے سلسلہ میں امامؓ نے زہیر کو
فوج کا مہینہ (داہنا حصہ) اور ”حبیب“ کو میسرہ (بایاں حصہ)
سپرد کیا اور علم اپنے بھائی عباس کو دیا۔ ان لوگوں نے اہل بیتؑ
کے خیموں کی طرف اپنی پشت کر لی۔

امامؓ نے لکڑی مٹکوائی اور اصحاب نے رات کو تھوڑی ہی
دیر میں خندق کھود ڈالی اور اس میں لکڑی بھر دی اور کہا جب دشمن
ہم پر حملہ آور ہوگا تو اس خندق میں آگ روشن کر دیں گے تاکہ

گے اور جب ہم قتل ہو جائیں گے تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو
جائیں گے۔

۸۔ ابو حرب کی گفتگو

راوی کے بیان کے مطابق امام حسینؓ اور ان کے اصحاب
نے ساری رات نماز و استغفار اور دعا و تضرع میں گزاری۔ اس
کے بعد ضحاکؓ نے امام علیہ السلام کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔
”کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے لئے بہتر
ہے۔ ڈھیل ان کو اس لئے دی گئی ہے کہ وہ عذاب کے زیادہ
مستحق ہو جائیں گے۔ آخر تو ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب
ہے۔ منافقو! خدا ایسا نہیں ہے کہ برے بھلے کو میسر کئے بغیر جس
حالت پر تم ہو اسی حالت پر مومنوں کو بھی چھوڑ دے“

(سورہ آل عمران)

دشمن کے محافظ دستہ میں ایک شخص نے یہ آیت سنی اور
کہا۔ کعبہ کے رب کی قسم ہم وہ پاک لوگ ہیں جو تم سے نمبر
لے گئے ہیں۔
ضحاکؓ کہتے ہیں:

میں نے اسے پہچان لیا اور بریر بن خفیر سے پوچھا
آپ اسے پہچانتے ہیں؟ ”بریر“ نے انکار کیا۔ میں نے کہا۔ یہ
ابو حرب سمیع عبد اللہ بن شہر ہے (جو مسخر اور بیہودہ اور بہادر و
جنگجو بھی ہے) سعید بن قیس ہمدانی جو امیر المومنینؑ (علیؑ) کی
فوج کے ایک سردار تھے اس کو اس کی حرکتوں کی بنا پر قید کر دیا
کرتے تھے۔

بریرؓ نے اس سے کہا۔

اے فاسق! کیا خدا تجھے پاک و پاکیزہ لوگوں میں شمار
کرے گا؟

ابو حرب نے کہا:

تم کون ہو؟

بریرؓ نے جواب دیا:

میں بریر بن خفیر ہوں۔

کوئی ہمارے پیچھے سے نہ آ سکے اور دشمن ہم سے ایک ہی سمت سے جنگ کرے۔

صبح کو خندق میں آگ دے دی اور یہ تدبیر حسینی فوج کے لئے مفید بھی ثابت ہوئی۔

۱۰۔ شمر کا کلام

جب دشمن ہماری طرف بڑھے تو آگ کے شعلے بھڑکتے دیکھے، جسے ہم نے اپنے پیچھے روشن کر رکھا تھا، کہ کوئی ہمارے پیچھے سے نہ آ سکے۔ ناگہاں دشمن کے ایک شخص نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خاموشی سے ہماری طرف سے گزرا۔ دیکھا کہ ہمارے خیموں کے قریب آگ روشن ہے۔ وہ واپس چلا گیا اور اونچی آواز سے کہا۔ اے حسین! آپ نے (معاذ اللہ) قیامت کے پہلے دنیا میں آگ جلائی۔ امامؑ نے فرمایا: یہ کون ہے۔ شاید شمر ہے۔ لوگوں نے کہا، ہاں وہی ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تو دوزخ کی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔

مسلم بن عوسجہ نے کہا۔

فرزند رسولؐ میں آپ پر نثار۔ یہ میری زد پر ہے۔ ایک تیر نہ رہا کر دوں؟ تیر خطا نہ کرے گا۔ یہ میری زد پر ہے۔ یہ فاسق بڑا جبار ہے۔

امامؑ نے فرمایا۔ نہیں۔ میں ابتدا پسند نہیں کروں گا۔

۱۱۔ امامؑ کا سوار ہو کر نصیحت فرمانا

امامؑ کے ایک گھوڑے کا نام ”لاحق“ تھا حضرت نے اس پر اپنے بیٹے علی اکبرؑ کو سوار کیا اور جب دشمن حضرتؑ سے قریب ہوئے تو حضرت نے اپنی سواری منگائی۔ سوار ہوئے اور اتنی بلند آواز سے فرمایا جسے سب سن لیں۔

۱۲۔ لوگو!

میری بات سنو۔ تمہارا مجھ پر حق ہے۔ جلدی نہ کرو تا کہ میں نصیحت کر لوں اور اپنے آنے کا سبب تمہیں بتا دوں۔ اگر تم نے میرا عذر تسلیم کر لیا اور میری بات کی تصدیق کی اور مجھ سے انصاف کا سلوک کیا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی۔ اور تمہیں میری

مخالفت کا کوئی حق نہ ہوگا (اس لئے کہ میری طرف سے حجت تمام ہو جائے گی اور اگر تم حقیقت سے بے خبر ہو تو آگاہ ہو جاؤ گے) اور اگر تم نے میرا عذر نہ مانا اور میرے ساتھ انصاف نہ کیا تو خود تم اور جسے تم چاہو اپنا معاون بنا لو اور پوری کوشش سے میری مخالفت کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو خدا پر ہے، جس نے قرآن نازل کیا۔ وہی صالحین کا والی و مددگار ہے۔ ضحاکؓ کہتے ہیں: جب امامؑ کا یہ کلام بہنوں، بیٹیوں نے سنا تو رونے لگیں اور ان کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ امامؑ نے اپنے بھائی عباسؓ اور بیٹے علی اکبرؑ کو بھیجا کہ انہیں خاموش کریں۔ اور فرمایا ابھی کیا ہے انہیں تو بہت رونا ہے۔ ضحاکؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب دونوں حضرات حرم کو چپ کرانے گئے تو امامؑ نے فرمایا (لا یبعد) (۱) ابن عباس (عباس) خدا ابن عباس کو زندہ رکھے۔ ہم نے امامؑ کے اس کلام سے یہ سمجھا کہ ابن عباس نے حضرت کو عورتوں کے ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا۔

۱۳۔ امام حسینؑ کی پوری تقریر

جب عورتیں خاموش ہو گئیں تو حضرت نے خدا کی حمد و ثنا کی اور ایسے صفات بیان کئے جو اس کی شان کے لائق ہیں۔ اور رسولؐ پر درود بھیجا اور بہت دیر تک حضرت کے ایسے اوصاف بیان کئے جن سے اللہ واقف ہے اور جن کی تہاہ نہیں ہے۔

امام کی عظیم المثل خطابت پر ضحاک کے تاثرات:

خدا کی قسم اس دن سے پہلے اور پیچھے میں نے حضرت کے ایسا فصیح البیان خطیب نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

میرا نام و نسب تو بتاؤ۔ سوچو تو میں کون ہوں۔ پھر اپنے دل کی طرف دھیان کرو اور اپنی اس زیادتی پر اس کو ملامت کرو اور غور کرو کہ تمہیں میرا قتل اور میری توہین جائز ہے؟ کیا میں تمہارے

۱۔ ارشاد شیخ مفید میں یہ فقرہ نہیں ہے۔ یقیناً یہ الحاقی ہے ضحاک کر بلا میں امامؑ سے ملے تھے انہیں کیا خبر کہ مکہ میں ابن عباس سے اور امامؑ سے کیا گفتگو ہوئی کہ وہ لا بعد ابن عباس سے یہ مفہوم سمجھتے۔ ضحاکؓ کے مقتل میں کر بلا کے قتل کا ذکر ہی نہیں۔

۱۵۔ پھر امام حسینؑ نے (اپنے کلام کے

سلسلہ میں فرمایا)

اگر تمہیں اس حدیث پہ شک ہو تو کیا تم اس میں بھی شک کرتے ہو کہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم مشرق و مغرب میں نبیؐ کا نواسہ میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ صرف میں ہی ہوں جو خاص تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس میرے قتل کا کیا جواز ہے؟ کیا اپنے کسی مقتول کا عوض لیتے ہو جسے میں نے قتل کیا ہے۔ یا اپنے کسی مال کی تلافی چاہتے ہو جسے میں نے ضائع کر دیا ہے یا کسی زخم کا قصاص چاہتے ہو؟

۱۶۔ جب سب دم بخود اور خاموش ہو گئے تو امامؑ نے (نام بنام) فرمایا۔

اے شہید! بن ربیع! اے حجار! بن ابجر! اے قیس بن اشعث اور اے یزید! بن حارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پختہ ہیں۔ کھیتیاں تیار ہیں۔ چشمے لبریز ہیں۔ آپ کو فوج تیار ملے گی، آئیے۔

لیکن ان لوگوں نے جواب دیا۔ ہم نے نہیں لکھا۔ حضرت نے فرمایا: سبحان اللہ بخدا تم نے مجھے ضرور لکھا۔

پھر فرمایا۔ لوگو! جب میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو مجھے کسی محفوظ جگہ پر واپس جانے دو۔

۱۷۔ قیس بن اشعث (بعدہ بنت اشعث کے بھائی) نے کہا: کیا آپ اپنے ابن عم (یزید) کا حکم نہ مانیں گے۔ یہ لوگ آپ کی مرضی کے مطابق آپ کے ساتھ برتاؤ کریں گے اور آپ کو ان سے کچھ تکلیف نہ پہنچے گی۔

۱۔ شہید بن ربیع بن حصین بن یاسر بن ہاشم بن عبدالمطلب (ابوالمہندی شاعر) شرا بخوار و زندیق تھا۔ اس کا نواسہ صالح بن عبد القدوس بھی (زندیق تھا۔ مہدی نے سولی دی۔)

۲۔ حجار بروزن کتان بن ابجر جابر بن علی (کرہ عین و سکون جیم۔ جل بن بنی بکر بن وائل سے منسوب حجار عرب کے حکام میں تھا۔ حجار سلمان ہوا اس کا باپ ابجر عیسائی مرا۔)

۳۔ یزید بن حارث بن یزید بن روم شیبانی۔ حارث امیر المؤمنینؑ کے صحابی تھے۔ یزید اموی تھا۔ خوارج نے مصعب بن زبیر کے زمانے میں اسے قتل کر ڈالا۔

نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں رسولؐ کے وحی، رسولؐ کے ابن عم اور حضرتؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے کافر نہ ہوں؟ کیا حمزہ سید الشہداءؑ میرے باپ کے چچا نہیں؟ کیا جعفر طیارؑ ذوالجناحین میرے چچا نہیں؟ کیا یہ مشہور حدیث تم نے نہیں سنی کہ رسولؐ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا (هذا ان سيدنا اشباب ابل الجنة) یہ دونوں جو انان اہل جنت کے سردار ہیں؟ اگر تم نے میری بات سچ مان لی تو خیر، جو میں کہتا ہوں وہ حق ہے۔ بخدا جب سے میں نے جانا کہ خدا جھوٹوں کو دشمن رکھتا ہے اور جھوٹ جھوٹے کے لئے ضرر رساں ہے۔ کبھی جھوٹ استعمال نہیں کیا (یعنی کبھی جھوٹ نہ بولا) اور اگر تم نے میری تصدیق نہیں کی تو تم میں وہ لوگ موجود ہیں جن سے تم پوچھو گے تو تمہیں بتائیں گے۔ جابر بن عبد اللہ انصاریؑ۔ ابوسعید خدریؑ، سہل بن سعدیؑ، زید بن ارقمؑ اور انس بن مالکؑ سے پوچھ لو۔ یہ لوگ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسولؐ کو یہ حدیث میرے اور میرے بھائی کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ۱۔ کیا رسولؐ کی یہ حدیث تمہیں میری خونریزی سے مانع نہیں ہے؟

۱۸۔ شمر اور دوسرے دشمنوں کی گفتگو

شمرؑ نے اس کے جواب میں کہا:

اگر میری سمجھ میں کچھ آتا ہو کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تو میں ایک حرف سچ پر خدا کی عبادت کروں (مجھے خدا پر شک ہو) حبیب ابن مظاہر نے (شمر) سے کہا: تو ستر حرفوں پر خدا کی عبادت کرتا ہے (یعنی تجھے خدا پر شک ہی شک ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے کہ امامؑ کی بات تیری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیوں کہ دل پر مہر لگ چکی ہے۔

۱۔ یہ پانچ صحابہ وہ ہیں جن کی وفات سب صحابہ کے آخر میں ہوئی۔

۲۔ شمر بن ذی جوش۔ ش مفتوح م کسور (ش کسور و م ساکن خلاف مضبوط ہے) ذوالجوش (شرائیل) بن احوضرط بن عمرو بن معاویہ بن کلاب جتالی خارجی مبروص۔

۳۔ یہ جملہ قرآن سے ماخوذ ہے ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خير المجان به وان اصابه فتنة لقلب على وجه (۱۷/۹) یعنی کچھ فرغانی میں خدا کی عبادت کرتے ہیں اور بد حالی میں خدا پر شک کرنے لگتے ہیں۔

نبیؐ کے اہلبیتؑ کی طرف سے تمہیں اچھا اور نیک بدلہ دے۔

۲۰۔ کربلا سے ضحاکؑ کی واپسی

جب امامؑ نے اجازت دے دی۔ میں نے خیمہ سے گھوڑا نکالا۔ اس پر چُست بیٹھ گیا اور اسے دشمن پر ڈال دیا۔ دشمن میرے راستے سے ہٹ گئے۔ پھر پندرہ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا۔ میں ”شفیہ“ تک پہنچ گیا جو فرات کے ساحل کے قریب ہے۔

جب تعاقب کرنے والے میرے پیچھے آگئے تو میں ان کی طرف مڑ پڑا۔ کثیر بن عبد اللہ، ایوب بن مرثع اور قیس بن عبد اللہ نے مجھے پہچان لیا۔ اور کہا یہ تو ضحاکؑ ہیں۔ یہ ہمارے بھائی ہیں (پھر اپنے ساتھیوں سے کہا) ہم تمہیں خدا کی قسم دیتے ہیں انہیں چھوڑ دو۔ تین تہی جو ان کے ساتھ تھے، بولے۔ ہم اپنے احباب اور اہل دعوت کی خوشی ان کے عزیز کے متعلق ملحوظ رکھیں گے۔ وہ بھی رک گئے۔ ان کے ساتھ دوسرے بھی رک گئے اور اللہ نے ان سے مجھے بچا لیا۔ ❀

ألفت حسینؑ

عالمیناب صوفی شیدا کا شاعری

پیدا ہر اشکِ غم سے ہے الفت حسینؑ کی
رقصاں ہے کائنات میں عظمت حسینؑ کی
خنجر تلے بھی ذکرِ رضائے خدا رہا
وارفتگی عشق تھی جرأت حسینؑ کی
فرسودہ ہو چکے ہیں زمانے کے انقلاب
لیکن ہے نقشِ تازہ شہادت حسینؑ کی
آنکھوں سے اشکِ خوں کا برسنا نہ تھم سکا
اتنی اثر پذیر ہے ألفت حسینؑ کی
وارفتگی شوق کا عزمِ صمیم دیکھ
کوئی ہمیں سکھا دے یہ عادت حسینؑ کی
جس سے فروغِ مہر بھی شرما کے رہ گیا
اتنی ہے سر بلند شہادت حسینؑ کی

(ماخوذ از ماہنامہ پیامِ عمل لاہور، سید الشہداء نمبر، ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ/ جولائی ۱۹۶۱ء ص ۷۵)

امامؑ نے فرمایا: تو اپنے اسی بھائی (محمد بن اشعث) کا بھائی ہے۔ جس نے مسلم کو قتل کیا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم کے خون کے علاوہ کسی اور خون کا مطالبہ کریں؟ بخدا میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالہ نہ کروں گا۔ اور نہ غلامانہ زندگی کا اپنے لئے اقرار کروں گا۔

خدا کے بندو! میں تمہارے اور اپنے خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ (سورہ دخان ۲۵/۱۴)

میں ہر مکبرؑ سے جو قیامت کا منکر ہے، اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔ (مومن ۱۴/۸)

۱۸۔ ضحاکؑ کا واپسی کی اجازت مانگنا

ضحاکؑ نے کہا: پھر میں نے ناقہ بٹھایا اور عقبہ بن سمرعانؑ کو حکم دیا کہ اسے باندھ دو۔ عقبہؑ نے ناقہ باندھ دیا۔ پھر فوج نے حضرت کی طرف یلغار کی۔ جب میں نے دیکھا کہ امامؑ کے اصحابؑ شہید ہو چکے اور ”سوید بن ابی مطاع خثعمی“ اور بشیر بن حضرمیؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا تو میں نے حضرت سے کہا فرزندِ رسولؐ! میں نے عرض کیا تھا کہ اس وقت تک آپ کی طرف سے جنگ کروں گا جب تک آپ کی فوج میں کوئی باقی ہوگا۔ جب کسی جنگ آزما کو نہ پاؤں گا تو مجھے واپسی کی اجازت ہوگی اور اس پر حضورؐ نے رضامندی کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرتؑ نے جواب میں فرمایا:

تم سچ کہتے ہو۔ مگر تم کیوں کر بچ سکو گے۔ اگر تمہیں قدرت ہو تو نکل جاؤ۔ تمہیں اجازت ہے۔

۱۹۔ امامؑ کی دعا اور ضحاکؑ کی پوزیشن

ضحاکؑ کہتے ہیں کہ اس دن یہ بھی ہو رہا تھا کہ دشمن اصحابؑ کے گھوڑے پٹے کر رہے تھے۔ میں نے اپنا گھوڑا تو اصحابؑ کے خیمہ میں باندھ دیا تھا اور خود پیادہ ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ امامؑ کے سامنے میں نے دو دشمن قتل کئے اور ایک کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ امامؑ نے مجھ سے کئی بار فرمایا۔ اللہ تمہارے ہاتھوں کو سلامت رکھے اور قطع نہ کرے اور تمہارے

حضرت خامس آل عبا علیہ التحیۃ والثناء

علامہ سید شاہ محمد قائم رضوی چشتی نظامی قتیل، سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ، دانا پور، پٹنہ

السلام آتے، میکائیل علیہ السلام آتے، وحی آئی، رسالت آئی نبوت آئی، قرآن عظیم آیا دین آیا، اسلام آیا، شریعت آئی، امامت آئی، جہاں وحی پر ہمیشہ کے لئے مہر لگ گئی، رسالت و نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا، حسینؑ ایسے گھر اور ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے۔

حسینؑ کیسے نانا کے نانی ہیں

حسینؑ ایسی ہی ذات گرامی صفات کے باقی ہیں جن کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ کہا اید اللہ فوق ایدیہم جن کے فعل کو اپنا فعل کہا ہا زہنیت اذ زہنیت و لکن اللہ زہمی جن کے قول کو اپنا قول فرمایا۔ ما یطق عن الہوی ان ہو الا وحیؑ یوحی جن کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، جن سے ابتداء آفرینش ہوئی اول ما خلق اللہ نوری جن کے نور سے کائنات و عالم و عالمیاں بنے و الخلق کلہم من نوری ہے جو خود خاص اللہ کے نور سے بنا انما من نور اللہ جو سب تخلیق کائنات ہے لولاک لما خلقت الافلاک جو اللہ کا مہمان ہو اسبحان الذی اسری بعبدہ جس کے قدموں نے عرش کو زینت بخشی و هو بالافق الاعلیٰ جس کو قرب معیت حاصل ہوا فکان قاب قوسین او ادنیٰ جس کو حوض کوثر عطا ہوا نا اعطیناک الکوثر جو انشراح صدر سے ممتاز ہو۔ الم نشرح لک صدرک جس کو دیدار و مشاہدہ عینی حاصل ہوا ما زاغ البصر و ما طغیٰ جو اللہ سے ہم کلام ہوا فاوحی الی عبدہ ما ووحی جس پر دین تکمیل کو پہنچا الیوم اکملت لکم دینکم جن پر اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتیں تمام کو پہنچیں اتممت علیکم نعمتی

میں ان دنوں دو ماہ سے علیل ہوں، ضعف اتنا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں ایسی حالت میں تجلی رسالت پر تو نبوت حضرت سیدنا امام عالی مقام حسین ذی احتشام علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں نذر عقیدت پیش کرنے کا حکم ہوا۔ گرامی نامہ پڑھتے ہی ایک چوٹ سی لگی، کچھ پوچھے نہیں کہ دل پر کیا گزر گئی، مجھ جیسا بیچ میرزد، ہیچمدان اور یہ حکم، اللہ اللہ میں اسے ہدایت غیبی سمجھا اور باوجود اپنی بے بضاعتی و بے مانگی کے بندگان حسینی کے صف تعال میں ہونا سبب اپنی نجات و مغفرت کا جانا۔ اللہ تعالیٰ مجھے دامن اہلبیتؑ میں پناہ دے بحر ممتہ النبی وآلہ الامجاد صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلیہم اجمعین۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے ایک ٹکڑا علیحدہ کر کے میری گود میں رکھ دیا گیا۔ بارگاہ اقدس میں عرض کرنے پر یہ خوشخبری ملی کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ایک فرزند ارجمند پیدا ہوگا، وہ مولود سعید تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۴ شعبان ۴ھ کو حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام نے اپنے قدوم پاک سے اس عالم کو سرفراز فرمایا اور آغوش حضرت ام الفضل میں دیئے گئے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ حضور انور تاجدار مدینہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے ٹکڑا ہیں، صرف اسی ایک واقعہ سے آپ کے فضائل و کمالات ظاہر و باہر ہیں۔

حسینؑ کیسے گھر اور گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ اس گھرانے اور اس مقدس گھر میں پیدا ہوئے، جس میں جبریل علیہ

در بشر روپوش گشته آفتاب
فہم کن واللہ اعلم بالصواب
سید عالم تاجدار مدینہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
گرامی ہے۔

۱۔ من كنت مولاه فعلى مولا، میں جس کا مولی ہوں علیؑ
بھی اس کے مولی ہیں۔

۲۔ لا يحبک الا مومن ولا يبغضک الا منافق،
اے علیؑ تم سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہو اور وہی بغض رکھے گا
جو منافق ہوگا۔

۳۔ انا مدينة العلم وعلی بابها، میں علم کا شہر ہوں اور
علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔

۴۔ لحمک لحمی ودمک دمی۔ تمہارا گوشت
میرا گوشت اور تمہارا خون میرا خون ہے۔

۵۔ انا دار الحکمة وعلی بابها۔ میں حکمت کا گھر
ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔

۶۔ انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي
بعدي۔ اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے، جو ہارون کو موسیٰ
سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۷۔ من فارقک یا علی فقد فارقتنی ومن فارقنی
فقد فارق الله۔ اے علیؑ جس نے تم کو چھوڑا اس نے مجھ کو چھوڑا اور
جس نے مجھ کو چھوڑا اس نے اللہ کو چھوڑا۔

۸۔ من اذی علیاً فقد اذانی۔ جس نے علیؑ کو ایذا دی اس
نے مجھ کو ایذا دی۔

۹۔ من سب علیاً فقد سبني ومن سبني فقد سب الله۔ جس
نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی جس نے مجھ کو گالی دی اس
نے اللہ کو گالی دی۔

اللہ اکبر کیا فضل و کمال حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے
ہیں، حسینؑ ایسے ہی باپ کے بیٹے ہیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم

جو ایسے عابد کہ تقلیل عبادت کا حکم پہنچا ہے۔ قم اللیل الا قليلاً
جن کو اللہ نے بے تھاہ علم دیا۔ و علمک ماتک تعلم جس کو
اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم پڑھایا الرحمن علم القرآن جو قاسم
نعمت الہی بنا، انما اللہ معطى وانا قاسم جس کو اللہ تعالیٰ نے مختار
کل کیا۔ ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهکم عنه فانتهوا
جس کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہو ما ہو علی الغیب
بضنین جس کے شہر، شہر کی مٹی وغیرہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی۔
والتین والزیتون و طور سینین و هذا البلد الامین جس کے رخ
انور و زلف معبر کی قسم کھائی۔ والضحی واللیل اذا سجی جو
مقام محمود پر فائز ہے۔ عسی ان یبعثک ربک مقاماً
محموداً حسینؑ ایسے ہی نانا کے نانی ہیں۔

حسینؑ کی ماں کون تھیں

حضور امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی والدہ ماجدہ
حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء بنت رسول خدا و زوجہ شیر خدا
علی مرتضیٰ ہیں، آپ سیف زبان، مستجاب الدعوات صادق
الکلام تھیں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ فاطمہؑ جنت کی تمام
عورتوں کی سردار ہیں، تمام مومن عورتوں کی سردار ہیں، تمام
عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں، ارشاد ہے فاطمہؑ تم میرے جسم
کا ٹکڑا (بضعة) ہیں، جس نے فاطمہؑ کو ناخوش و ناراض کیا اس
نے مجھے ناخوش و ناراض کیا۔ اخلاق و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم میں حضرت سیدہ سے زیادہ کوئی مشابہ نہ تھا، حضرت سیدہ
جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں
تو حضور کھڑے ہو جاتے تھے اور حضرت سیدہ کو اپنی جگہ پر
بٹھاتے، حسینؑ ایسی ہی ماں کے بیٹے ہیں۔

حسینؑ کیسے باپ کے بیٹے ہیں

حضرت امام عالی مقام حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اسد اللہ
الجبار کرم اللہ وجہہ الشریف کے فرزند دلہند ہیں۔ حضرت علی
مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مراتب و فضل و کمال کوئی کیا بیان کر سکے۔

خلیل اللہ علیہ السلام جب اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کی مرمت فرما رہے تھے تو آپ نے حضرت اسمعیل کے حق میں یہ الفاظ ذیل دعا فرمائی۔

واذیرفع ابراہیم القواعد من البيت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم ربنا وجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک۔

جس کی قبولیت کا ذکر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی توریت شریف میں یوں ہے۔

توریت شریف

”اور میں نے تیری دعا اسمعیل کے حق میں قبول کی، دیکھ اسے میں برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ شہزادے پیدا ہوں گے اور اسے میں بڑی قوم بناؤں گا الخ (کتاب پیدائش باب ۱۷، آیت ۲)

توریت مقدس کی آیت بالکل واضح ہے اور اسی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں بارہ شہزادے پیدا ہوں گے۔ حضرت ابراہیم کی دعا میں ”من ذریتنا امة مسلمة لک“ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ امت جس میں یہ بارہ شہزادے ہوں گے مسلمان ہوگی۔ مسلمان کہلائے گی اور ان شہزادوں کا تعلق خانہ کعبہ سے ہوگا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پوری کائنات میں سوا امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کوئی مسلم ہے نہ مسلمان و نیز سوا ان بارہ شہزادوں کے دوسرا شہزادہ نہیں، ان شہزادوں کے اسم گرامی حسب ذیل ہیں۔

”اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا و مولانا محمد بن الذین کانوا علیا فی درجاتہ حسناتی صفاتہ شہیداً فی تجلیاتہ زین العابدین، باقر علم الاولین۔۔۔ ولا اخرین، صادقاً فی اقوالہ، کاظمیٰ فی جمیع احوالہ منکما فی مقامہ الرضاء، جواداً کفہ عنہ العطا، ہادیاً الی سبیل النجاة، عسکریاً مع الغزاة، مہدیاً الی طریق الیقین، صلوة اللہ

وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مطیع و فرمانبردار امت ہے اور اس امت کے یہی بارہ شہزادے ہیں جن کی تجلیاں اپنے ظہور سے ہزاروں سال پہلے ہی چل رہی تھیں۔

انجیل مقدس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ زبان مسیح شہزادہ عالم فرمایا ہے ”اے بنی اسرائیل اس کے بعد مجھ سے اور تجھ سے زیادہ گفتگو نہ ہوگی۔ اس لئے کہ سارے جہاں کا شہزادہ آرہا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں (میرا اس کا کوئی تقابل نہیں)

(انجیل یوحنا ۱۱-۱۳-۳)

خود حضرت یحییٰ علیہ السلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرومرشد ہیں وہ بھی حضور انور تاجدار مدینہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں یوں فرماتے ہیں۔

انجیل :- اور تجکی منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے قوی تر ہے۔ میں اس لائق نہیں کہ جھٹک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔ (مرقس ۱-۷)

انھیں بارہ شہزادوں میں ”شہیداً فی تجلیاتہ سے حضور سیدنا امام عالی مقام حسین علیہ السلام مراد ہیں جن کی ذات گرامی صفات چند مقاصد خاص کے پورا کرنے کے لئے پیدا کی گئی تھی، انھیں مقاصد میں ایک بڑا بلکہ اصل مقصد ایک ذبح عظیم ہے (وفدینہ بذبح عظیم) اسی ذبح عظیم کا اشارہ پندرہ سولہ سوسال قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت مقدس میں یوں کیا تھا جو آج تک موجود ہے۔

توریت :- خداوند رب الافواج کے لئے شمالی زمین میں دریائے فرات کے کنارے ایک ذبیحہ ہے۔“ (یرمیاہ ۳۶-۱)

ہائے کیا چیز ہیں آپ یا امام حسین علیہ السلام کہ واقعہ شہادت سے پندرہ سولہ سوسال پہلے ہی حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی توریت مقدس میں آپ کی شہادت مذکور ہے۔ حضرت

لايفتنون۔ یعنی کیا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں ان کو چھوڑ دوں گا صرفاً مناکہہ دینے پر اور میں ان کا امتحان نہ لوں گا۔

اللہ اکبر کس قیامت کی یہ آیت شریف ہے اور کیا اس کے تیور ہیں۔ اس آیت پاک میں ”ناس“ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نہ کسی نبی و رسول کو نہ کسی امام کو پیشوا کو نہ کسی ولی نہ کسی متقی کو مستثنیٰ کیا حالانکہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں مگر باسببہم واقعات سے ظاہر و باہر ہے کہ کسی کو آگ میں ڈالا کسی کو پانی میں کسی کو قید کیا، کوئی شہید ہوا، اور یہ امتحان برابر جاری ہے۔ آیت مذکور میں اعلان امتحان ہے، جب اعلان امتحان ہو گیا تو موضوع امتحان کی بھی اشد ضرورت تھی کہ اس موضوع اس سبجیکٹ پر تیار ہو جائیں، لہذا دوسری آیت شریف سے معلوم ہوا کہ موضوع امتحان کیا کیا ہیں اور کتنے پیپر اس امتحان کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولنبونکم بشی من الحزن والجوع ونقص من الاموال والانفس والشمات۔

یعنی میں نے تیرے امتحان کے پانچ سبجیکٹس یعنی پیپر س رکھے ہیں۔ اول خوف دوسرے بھوک، تیسرے نقص اموال، چوتھے نقص نفس، پانچویں نقص ثمرات یعنی میں ان پانچوں سبجیکٹس میں تمہارا امتحان لوں گا، خواہ ایک یا دو یا تین یا چار یا پانچوں سبجیکٹس میں، ممتحن کی حیثیت کے لحاظ سے۔

امتحان پھر امتحان ہے اور امتحان کا مستقل قاعدہ یہ ہے کہ امتحان میں دوران امتحان کسی کی مدد نہیں کی جاتی مگر چونکہ اللہ رحم الرحمن اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ العالمین ہیں اور آپ اپنی امت پر عزیز علیہ ماغتنہ حریص علیکم بالمؤمنین روف الزحیم ہے اس لئے ہر امتحان دینے والے کو اشارہ فرما دیا کہ تم پر ایسا وقت آجائے تو ان دو حربوں سے کام لینا۔

استعینوا بالصبر والصلوٰۃ“ پس جوان حربوں سے کام لے گا اللہ اس کے ساتھ ہو جائے گا۔ ان اللہ مع الصابرين

امام عالی مقام کے مراتب و کمال کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے آپ کی شان میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں فرمایا تاجدار مدینہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

۱۔ حسین منی وانا من الحسین احب اللہ من احب حسینا حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے، جو حسین سے محبت رکھے گا وہ اللہ سے محبت رکھے گا۔

۲۔ من احب الحسن و الحسین فقد احبنی من ابغضہما فقد ابغضنی۔ جس نے حسن و حسین سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

۳۔ احب اللہ من احب احبنا۔ جو شخص حسین سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا۔

۴۔ انا الحسین واللہ جراتی وجوڈی۔ میں نے حسین کو اپنی بہادری و سخاوت بخشی۔

۵۔ ان جبرئیل ارانی الترتبۃ النبی یقتل علیہا الحسین فانتم مدت غضب اللہ علی من یسفک دمہ الخ۔ جبرئیل نے مجھے وہ خاک دکھائی جس پر قتل کیا جائے گا حسین کو۔ جو شخص حسین کا خون بہائے گا اللہ کا اس پر شدید غضب نازل ہوگا۔

میں انہیں چند حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں اللہ اللہ حیرت ہے کہ جو نبی انا من نور اللہ فرمائے وہی نبی انا من الحسین فرمائے۔ فتبارک اللہ احسن المخالقین۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام عالی مقام کو اکثر سوگھتے اور فرماتے کہ حسین جنت کے پھول ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ بہشتی جوانوں کے سردار ہیں۔ حضرت امام حسینؑ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا ایک ٹکڑا ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضور امام عالی مقام کو چند مقصد خاص کے لئے پیدا کیا تھا۔

قرآن عظیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وہم

اور وہ فائز المرام ہو جائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ بیک وقت ہر شخص کے لئے پانچوں سبجیکٹ نہیں ہیں بلکہ ممتحن کی حیثیت دیکھ کر چاہے ایک سبجیکٹ یا دو یا تین یا چار یا پانچوں سبجیکٹ یعنی پیپرز میں امتحان ہو۔

اس امت ضعیف کی کمزوری و ناتوانی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حرص، رحمت، کرم دیکھ کر رحمت الہی اس طرف متوجہ ہوئی کہ ایسا ایک امتحان پانچوں سبجیکٹس (پیپرز) میں بیک وقت کرا دیا جائے کہ امت میں ایک پراسیڈنٹ یعنی نظر قائم ہو جائے کہ امتحان اس پر آسان ہو جائے اور ہر ممتحن اس ممتحن اول کے نقش قدم پر سر رکھ کر کامیابی کے ساتھ گزر جائے۔

دنیا جانتی ہے کہ ہر شخص ہر کام کے قابل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے بھی قاعدہ قانون ہوتا ہے، فوج میں بحالی کے وقت سینہ ناپتے ہیں، قد ناپتے ہیں دل ٹٹولا جاتا ہے، جسامت شجاعت قوت دیکھی جاتی ہے، ہر محکمہ اپنے محکمے کے قابل تلاش کرتا ہے پس اس امتحان کے سبجیکٹس ذہن میں رہے اور غور کیا جائے کہ ایسے امتحان کے لئے جو بیک وقت پانچوں سبجیکٹس میں امتحان دے سکے، کیسا آدمی ہونا چاہئے چنانچہ ادھر دیکھا گیا، ادھر دیکھا گیا پوری کائنات میں کوئی نہ ملا جو ایسے امتحان کے قابل مل سکے۔ تمام کا جائزہ لینے کے بعد صرف ایک اور صرف ایک ہی ہستی ایسی ملی جو اس جانکاہ امتحان میں پانچوں پیپرس کے لئے بیک وقت اتر جائے اسی ذات گرامی صفات کا نام نامی و اسم گرامی حسین ابن علیؑ ہے اور آپ الحمد للہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر نا کی امت کے حق میں نظیر بن گئے۔

ایسے امتحان کا سلسلہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا شروع ہی سے جاری ہے چنانچہ اسی قسم کا ایک امتحان ہزاروں سال پہلے بھی ہوا ہے یعنی اللہ نے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو میری راہ میں قربان

کرو، چنانچہ المختصر حضرت ابراہیم علیہم السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمعیل کو زمین پر لٹایا اور ذبح کر دیا۔

حلق اسمعیل پر رکھ دی چھری

ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کرنے میں مصروف تھے، ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جنت سے ایک دنبہ لا کر حضرت اسمعیل کی جگہ رکھ دے اور حضرت اسمعیل کو بے لاگ صحیح و سلامت نکال لے چنانچہ حضرت جبرئیل نے ایسا ہی کیا حضرت اسمعیل بے لاگ بچ گئے اور دنبہ ذبح ہو گیا، اسی وقت سے حضرت اسمعیل علیہ السلام جو بال بال بچ گئے ذبح اللہ ہو گئے۔

اس مقام پر دیانت و انصاف شرط ہے کہ ذبح دنبہ ہوا اور ذبح اللہ حضرت اسمعیل ہوئے جو زندہ رہے اور عمر طبعی کو پہنچے، صاحب اولاد ہوئے وغیرہ اب حکم الہی اور انتظام قدرت ملاحظہ ہو، اللہ تعالیٰ کو ہزاروں سال بعد اسی قسم کا ایک امتحان لینا تھا جس کے لئے اس نے اتنا قبل ایک پراسیڈنٹ یعنی نظیر قائم کر دی اس نظیر کے مقابلہ میں کوئی دم نہ مار سکے اہل فہم و بصیرت پر یہ واضح ہے کہ اس جگہ دنبے کی حیثیت بدل کی ہے اور بدل برابر ہوتا ہے اس کے جس کا وہ بدل ہو پس اس وقت سے یہ کلیہ قائم ہو گیا کہ بدل اور صاحب بدل برابر ہوتے ہیں لہذا ذبح دنبہ اصل میں ذبح اسمعیل ہے پس حضرت اسمعیل کا ذبح اللہ ہونا بالکل حق ہے۔

قربانی حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گزر جانے کے ایک عرصہ دراز کے بعد پھر ایک ایسی ہی اہم قربانی کی ضرورت پڑی، دنیا جانتی ہے کہ ۶۰ھ میں یزید پلید تخت حکومت پر بیٹھا، چونکہ وہ ملعون اس کا اہل نہ تھا، فاسق و فاجر تھا اس لئے تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنی راہ سیدھی اور صاف کرنا چاہی اس پلید کے ذہن میں یہ بات آئی کہ خود کو محفوظ و مستحکم کرنے کے لئے حضرت سیدنا امام حسینؑ علیہ السلام سے بیعت لے لی جائے اور اس طرح حضرت کو پابند کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ولید بن عتبہ عامل

اتنی بڑی سلطنت سے لڑنے کو چند آدمیوں کے ساتھ وطن چھوڑ کر جائے گا، وہ بھی چند عورتیں، کم عمر شہزادے، چھ مہینے کے شیرخوار بچے کے ساتھ، بس اور کیا عرض کروں۔

فکر بر کس بقدر ہمت اوست

تنگ انسانیت عبید اللہ ابن زیاد بدنہاد نے جو اس وقت خاص اسی کام کے لئے کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ حضور امام عالی مقام کے پاس ایک عریضہ بھیجا کہ آپ یزیدی بیعت کر لیں حضرت امام عالی مقام نے اس وقت بھی اسی شدت سے انکار فرمایا پس پھر کیا تھا، محاذ جنگ قائم ہو گیا ابن زیاد نے فوجیں جمع کیں اور ہر طرف سے نرغہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ محض چند گھنٹوں میں بائیس ہزار یزیدی فوج و لشکر بحکم یزید پلید خزاں کی طرح بستان مصطفیٰ پر ٹوٹ پڑے۔

سلام ریحان مصطفیٰ پر کہ سارا جنگل بسا ہوا ہے
منشی قدرت و دبیر فلک نے وہی امتحان کے پانچوں پیپر
الخوف والجوع ونقص من اموال والانفس والشرمات
“پیش کر دیئے ظالموں نے ۷ محرم الحرام سے پانی بند کر دیا اور دس محرم کو باغ رسالت کو تاراج کر دیا صرف حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام۔ انا اعطینک الکوثر“ کی تفسیر بتانے کے لئے قدرت کی طرف سے بچا لئے گئے۔

فصلی اللہ علی نور کز و شد نور ہا پیدا
لحقہ ان بانئیس ہزار یزیدی فوج و لشکر نے ۱۰ محرم الحرام کو یکبارگی حملہ کر دیا۔ ہمراہیان و رفقاء امام علیہ السلام شہید ہونے لگے اور چند گھنٹوں میں پچاس سے زیادہ حضرات شہید ہو گئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت حر کو جن کا ذکر اوپر گزرا ہدایت فرمائی اور وہ یزیدیوں کی طرف سے پھر کر امام علیہ السلام کی طرف آگئے اور حضرت امام کی طرف سے خوب خوب داد سپہ گری دی اور اپنے بھائی بیٹے کے ساتھ شہید ہو گئے، ساتھ ہی ساتھ کل رفقاء و کل شہزادگان خاندان رسالت فرداً فرداً پوری داد

مدینہ کو لکھا کہ حضرت امام حسینؑ سے بیعت لے لے عامل مدینہ کی عرض پر حضور امام حسینؑ نے انکار فرمایا بات اس حد تک بڑھی کہ حضرت امام عالی مقام کو مدینہ طیبہ چھوڑ کر مکہ معظمہ آ جانا پڑا کوفیوں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو ان لوگوں نے حضرت امام علیہ السلام کو کوفہ مدعو کیا اور ہزاروں خطوط اصرار کے ساتھ بھیجے، حضور تو خود تشریف نہ لے گئے مگر جب کوفیوں کا اصرار زیادہ بڑھا تو حضرت مسلم بن عقیل کو بھیج دیا، پہلے تو کوفیوں نے حضور کو ہاتھوں ہاتھ لیا مگر بالآخر انہیں نمک حراموں نے حضرت مسلمؑ کے ساتھ دغا کی اور شہید کر دیا۔

اس کے کوچے میں ملا جادہ شمشیر مجھے

کاٹ کر راہ کہاں لے گئی تقدیر مجھے

جس روز حضرت مسلمؑ شہید ہوئے اسی روز حضور امام حسین علیہ السلام کوفہ کے لئے روانہ ہوئے مگر راہ میں حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر ملی، تو حضرت امامؑ نے عراق کا ارادہ فرمایا مگر راہ میں حراپنی فوج کے ساتھ حضرت امامؑ کو آ ملا اور حراست میں لے لیا، اس وقت حضرت امام علیہ السلام کے ساتھ بیاسی آدمی تھے جن میں خاندان رسالت کے کل شہزادے اور شہزادیاں، ایک چھ ماہ کا شیرخوار بچہ اور چند رفقاء شامل تھے حر نے ان حضرات کو یزید تک لے جانا چاہا مگر بالآخر یہ کل حضرات کر بلا میں آ کر اترے۔

در کر بلا چوں آں شہ ہر دوسرا رسید

بہر سلام با ادب اول قضا رسید

اب بھی کچھ ایسے سر پھرے بیوقوف موجود ہیں جو یہ الزام رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت امام حسین سلطنت کے لئے لڑنے کو گئے تھے اس سر پھرے خارجی کو جانا چاہئے کہ یہ سلطنت تو امام عالی مقام کی تھی ہی جس کو آپ کے بڑے بھائی حضرت سیدنا حسن علیہ السلام نے اپنے گھرانے کے تمام بچوں پر سے صدقہ کر دیا تھا صدقہ بھی کوئی واپس لیتا ہے؟ سمجھنے کی بات ہے کہ یزید کی سلطنت کتنی بڑی سلطنت تھی۔ فوج و خزانہ اس کے ہاتھ میں،

امت کے ہاتھوں شہید ہوں گے۔ اس زمین کی مٹی لاکر پیش کرتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مٹی کو سونگھا اور فرمایا کہ اس سے رنج و بلا کی بوائی ہے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے دیا کہ اس مٹی کو حفاظت سے رکھو۔ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا بیٹا حسینؑ شہید ہو گیا۔

واقعہ کربلا سے تقریباً چوبیس سال پہلے امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف جنگ صفین کو جاتے ہوئے جب مینوا سے گزرے تو کربلا کی طرف رخ کر کے جو مینوا سے بہت دور ہے فرمایا ”صبر کرنا یا ابا عبد اللہ“ دوسرے موقع پر جب حضرت مولا رضی اللہ عنہ خود کربلا سے ہو کر گزرے تو مقام واقعہ کربلا پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ یہاں حسینؑ کی لاش ہوگی، یہاں فلاں کی لاش ہوگی، یہاں حرم کے خیمے ہوں گے جیسا کہ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بدر پر نشان دے کر فرمایا تھا کہ یہاں ابو جہل کی لاش ہوگی، یہاں فلاں کی لاش ہوگی اور وہی ہوا۔ اسلام میں اکثر شہادتیں ہوئی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اللہ اکبر کیسی عبرت ناک شہادت ہے، خود حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسینؑ کی شہادت وغیرہ کیسی پردرد شہادتیں ہیں مگر کسی کو ان حضرات کی تاریخ شہادت، روز شہادت، ماہ شہادت، نہ معلوم ہے نہ یاد ہے نہ قاتلین کے نام و سکونت معلوم ہے۔ مگر شہادت امام حسینؑ کی تاریخ دن مہینہ، مقام، وقت، قاتل کا نام وغیرہ تمام روئے زمین پر تمام شہریوں، دیہاتوں، مسلمانوں، ہندوؤں، یہودیوں، نصرانیوں، عورتوں، مردوں، بچوں، جوانوں، بوڑھوں کو ایک ایک کر کے فرداً فرداً معلوم ہے جس سے جی چاہے پوچھ لیجئے فوراً بتا دے گا، اللہ اکبر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی شہادت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حارث رضی اللہ عنہ کو اس شہادت کی خبر دی تھی اسی بناء پر آپ نے حضرت امام

شجاعت دے کر یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور حضور امام علیہ السلام تنہا رہ گئے بس پھر کیا تھا سارے اعداد اشقیاء حضرت امام عالی مقام کی طرف پھر پڑے اور سر سے پاؤں تک آپ کو تیر نیزے اور تلوار کے زخموں سے چور کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ گھوڑے سے گر کر نہایت ہی صبر کے ساتھ سجدے میں شہید ہو گئے۔ اس پر قیامت یہ کہ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے روندی گئیں اور سر امام بلند مقام نیزے پر گھمایا گیا، الحمد للہ ثم الحمد للہ میرا نام اونچا تھا، اونچا تھا۔ یہ دوش رسول کا راکب اونچا تھا اونچا ہی رہا۔

آن زیب و دوش مصطفیٰ، بلغ العلا بکمالہ
خورشید صبح کربلا کشف الدجاء بجمالہ
تصویر خلق مرتضیٰ، حسنت جمیع خصالہ
یعنی حسینؑ بیہ نوا، صلو علیہ والہ
یہ واقعہ، یہ ماجرا، حضرت امام علیہ السلام کے نانا کی امت کے لئے رہتی دنیا تک اک نظیر (پریسیڈنٹ) ہے جو حضور امام علیہ السلام کے نقش قدم پر سر رکھ کر راہ امتحان کو طے کر لے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی کے ساتھ منزل مقصود کو پہنچے۔

شہادت ایک ایسا مقام ہے اور ایک ایسی نعمت ہے جس کا علم بغیر شہید ہونے ہو نہیں سکتا۔ جب تک سانس باقی ہے اس کو کوئی شہید کہہ نہیں سکتا مگر سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ شہادت امام حسینؑ کہ ابھی گود میں ہیں مگر آپ کی شہادت کا چرچا جس کو پچاس ساٹھ برس ابھی باقی ہے ہو رہا ہے، ابھی تین چار سال کے ہیں، حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی گود میں ہیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غم و حسرت سے آپ کی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضرت امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول آپ کے یہ فرزند چٹیل میدان عراق میں آپ کی

حسینؑ کا دامن نہ چھوڑا اور حضور کے ساتھ کر بلا گئے اور شہید ہو گئے۔ جس روز حضرت امام عالی مقام شہید ہوئے اس روز جنوں کا رونا اور مرثیہ کا پڑھنا سنا گیا اور ان مرثیوں کے الفاظ و اشعار آج تک حدیث کی کتابوں میں درج و محفوظ ہیں، حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف ہوئی تھی اس روز جنوں کا رونا اور مرثیہ سنا گیا۔

جس روز حضرت امام عالی مقام شہید ہوئے اس روز آسمان سے خون برسا لوگوں کے برتن وغیرہ جو کھلی جگہوں میں تھے خون سے لبالب بھرے پائے گئے۔ جس روز حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوئی اس روز زمین سے خون ابلا۔ بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس سے تازہ خون ابلتا تھا۔

جس روز حضور امام عالی مقام شہید ہوئے اس روز وہ مٹی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی تھی جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو رکھنے کو دی گئی تھی خون ہو گئی۔

ماہ محرم ماہ انبیاء ہے خصوصاً اس کا جمعہ عاشورہ اور دسویں تاریخ حضرت انبیاء علیہم السلام کا جب جب امتحان ہوا یا جب جب ان پر کوئی مصیبت آئی تو وہ خصوصیت سے محرم ہی کا مہینہ، دس تاریخ جمعہ ہی کا دن ہوتا حضرت سیدنا آدم علیہ السلام، نوح ابراہیم، موسیٰ، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پر جب مصیبت آئی یا جب ان کا امتحان ہوا تو وہ ۱۰ محرم روز جمعہ ہی ہوتا، غور کرنا چاہئے کہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام تو نہ نبی تھے نہ رسول پھر آپ کا امتحان آپ کی شہادت خصوصیت کے ساتھ محرم کے مہینے، دس تاریخ جمعہ کے دن چہ معنی دارد۔

اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے ”وَاتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“ یعنی اے میرے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اپنی ساری نعمتیں آپ پر تمام کر دیں چنانچہ کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو میرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

میں نہ ہو سوا ”شہادت“ کے آپ سلطان الانبیاء، ختم المرسلین ہیں آپ کی ذات پاک میں کمال شہادت کا نہ ہونا بالکل خلاف مصلحت ہے دیکھا گیا ہے کہ شہادت نبیؐ سے دین میں خلل پڑ جاتا ہے اور اس نبی کا دین باقی نہیں رہتا، اس لئے مصلحت الہی یہ ہوئی کہ یہ کمال حضورؐ کی ذات پاک میں بعد وفات حضور اور بعد گزر جانے ایام خلافت کے بواسطہ اہل بیتؑ مل جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں سال پہلے ایک نظیر قائم کر رکھی جب کہ ذبح اسمعیل والے قصہ سے واضح ہے کہ حضرت اسمعیلؑ کی جگہ دنبہ ذبح کر کر حضرت اسمعیلؑ کو بچا لیا فدینا ہذبح عظیم، یعنی دنبہ ذبح ہوا اور حضرت اسمعیلؑ ذبح اللہ ہو گئے یہاں بھی وہی بدل والی بات ہے مگر حفظ مراتب کے ساتھ، یعنی بدل حضرت بدل حضرت اسمعیل کے لئے دنبہ قرار پایا اور بدل خاتم الانبیاء، وسید العالمین و افضل المرسلین کے لئے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام منتخب ہوئے اس لئے کہ آپ ابن رسول اللہ و شبیہ رسول اللہ بھی ہیں اور اس وقت پوری کائنات میں آپ جیسا عظیم المرتبت ہر نقطہ نگاہ سے کوئی نہ تھا، اسی ذبح اور اسی قربانی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی تورات میں یوں فرمایا ہے۔

توریت مقدس :- خداوند رب الافواج کے لئے شمالی زمین پر دریائے فرات کے کنارے ایک ذبیحہ ہے۔ (یرمیاہ ۱۵-۲۶)

یہی وجہ ہے کہ اس شہادت کے لئے ۱۰ محرم روز جمعہ منظور ہوئی، اور چونکہ سرکار دو عالم محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات کے نبی و رسول ہیں اس لئے اس شہادت کا اثر پوری کائنات پر یکساں ہے۔ لہذا شہادت امام حسینؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام اصل میں شہادت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یہی وجہ ہے کہ اس شہادت پر شہادت کبریٰ کی تمام شرطیں ایک ایک کر کے پوری اتریں اور جب سے دنیا قائم ہے، ایسی شہادت مل ہی نہیں سکتی جس میں شہادت کبریٰ کی ساری شرطیں

بیک وقت پائی جائیں۔

”اوحی اللہ انی قتلت بیحی بن ذکر یا سبعین الفأو

انی با بن نب تک سبعین الفأو سبعین الفأ۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ میں نے یحییٰ بن ذکر یا کے خون کے بدلے ستر ہزار کو قتل کیا اور تمہارے نواسے کے خون کے بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار کو ماروں گا۔

واقعہ کربلا کے پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے کائنات عالم وجود میں آئی آج تک شہادت کبریٰ کا وقوع ہی نہیں ہوا۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی بھی شہادتیں ہوئیں، مگر کسی شہادت میں شہادت کبریٰ کی شرطیں نہیں پائی جاتیں، سوا ایک واحد شہادت کے جو کربلا میں واقع ہوئی، اس شہادت میں جتنی باتیں ظہور پذیر ہوئیں، سب نرالی، سب انوکھی حضرت امام علیہ السلام کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی آپ کی شہادت کا تذکرہ عام طور پر ہونے لگا، فرشتے خبر لے لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے، روز شہادت عجائبات کا دیکھا جانا، آسمان سے خون برسنا، زمین سے خون ابلنا، جنوں کا مرثیہ پڑھنا قابل غور ہے۔ حدیث مذکور میں اوحی اللہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر واقعہ کربلا کے پچاس سال پہلے وحی فرمائی کہ اے میرے پیارے حبیب میں نے حضرت یحییٰ کے انتقام میں ستر ہزار کو مارا اور حسینؑ کے انتقام میں ایک لاکھ چالیس ہزار کو قتل کروں گا، میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یونیورسل پروفٹ ہیں یعنی نبی کل ہیں تمام عالم و عالمیان پر آپ کا یکساں اثر ہے۔

جہاں جہاں الوہیت و ربوبیت ہے وہاں وہاں حضور کی نبوت و رسالت بھی موجود ہے سطور بالا سے صاف ظاہر ہے کہ بقاعدہ بدل، ذبح دنبہ اصل میں ذبح اسمعیل ہے، یہ بھی سطور بالا سے ظاہر ہے کہ ساری نعمتیں آپ میں موجود ہیں سوا کمال شہادت کے جو بڑی نعمت ہے اور اس کا ہونا ضروری اور لازمی ہے تو یہاں بھی بدل کی ضرورت پڑی لہذا حفظ مراتب و علو سورجیات کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت امام عالی مقام کو نانا کا بدل بنایا اس لئے کہ

یہ اتنا بڑا عظیم واقعہ صرف یزید پلید کے اصرار بیعت پر ہوا۔ حالانکہ یہاں پر ایک حیلہ شرعی کا موقع تھا اس لئے کہ اس وقت تک یزید پلید صرف فاسق و فاجر ہی تھا، خلیفہ اسلام نہیں تھا، وہ تو بعد قتل امام کا فرداکفر ہو گیا۔ کربلا میں اگر چاہتے تو حضرت امام عالی مقام نیابت یزید کی بیعت کی بیعت کا اقرار کر لیتے اور پورے خاندان کو مکہ معظمہ لے آتے اور مکہ معظمہ اور بیت اللہ شریف کے اندر خانہ کعبہ میں صورت حال بیان کر کے اس سے بیزاری اور علیحدگی کا اعلان کر دیتے، مگر اللہ نے امام علیہ السلام کی عقل دور بینی، فراست، تدبیر کہ آپ نے دیکھا کہ مجھ کو تو ایک فاسق و فاجر سے محض ایک مسئلہ بیعت میں مقابلہ ہو گیا ہے اور میرے سامنے تو صرف ایک ہی کربلا ہے، میرے نانا کی اُمت کے قدم قدم پر کربلا ہوگی وہاں کافر و مشرک سے سابقہ ہوگا۔ فرائض و سخن کی بات آئے گی ارتداد و حلت و حرمت کا اختلاف ہوگا پس اگر میں ایسا کروں تو یہ میری نانا کی اُمت کے لئے ایک مثال، ایک نظیر ہو جائے گی اور امت سب کچھ کر گزرے گی اور مجھی کو مثال میں پیش کریگی اس طرح دین ہی ختم ہو جائے گا۔ اسلام مٹ جائے گا۔ اس لئے حضرت امام علیہ السلام اڑے رہے۔ خاندان کو برباد ہونے دیا، شہزادوں کو بے آب و دانہ کٹنے دیا، تمام رفقاء کو تیغ کے گھاٹ اترنے دیا حضرت علی اصغرؑ کو پیاسے شہید ہونے دیا، شہزادیوں کو قید ہونے دیا سب کچھ اللہ کے لئے گوارہ کیا مگر ایسے دروغ مصلحت آمیز کو کسی قیمت پر اور کسی حال میں مصلحت نہ سمجھے اور جو کچھ ہوا دنیا نے دیکھا۔ اس طرح امام عالی مقام نے اپنے خون اور خون اہلبیت و رفقاء سے سینچکر اسلام کو بچا لیا۔ اسی کا نام انامن حسین ہے۔

ان چند اوراق میں حضرت امام عالی مقام کے مجاہد کیا عرض کیئے جاسکتے ہیں۔ صرف ایک حدیث پاک اور سنا کر ختم کروں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:-

جیسے نبی بے مثل و بے عدیل ویسے ہی ناتی بھی اس وقت اور اس دور میں بے نظیر و بے عدیل اور وقت شہادت ایسے ایسے معجز العقول عجائب و غرائب کا ظہور ہو کہ آج تک دنیا کی آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔

از آنجا کہ جیسا سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے کہ شہادت امام حسینؑ اصل میں شہادت مصطفیٰؐ ہے۔ اسی لئے حفظ مراتب و فرق درجات انبیاء کے لحاظ سے دونوں شہادتوں کے انتقامی تعداد میں خاص فرق ستر ہزار اور دوستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار کا ظاہر کیا گیا ہے، یہ ایک اور بھی اہل دلیل ہے کہ شہادت حسینؑ اصل میں شہادت مصطفیٰؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحمد للہ کہ صبر و استقامت امام عالی مقام نے آپ کے نانا کی امت کو ہلاکت سے بچا لیا اور اسلام کو بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

اسی کو حضرت سیدنا خواجہ خاجگان عطائے رسولؐ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ

دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ

سرداد، نہ داد دست دردست یزید

واللہ کہ بنائے لالہ است حسینؑ

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد علی آلہ و صحبہ و اہلبیتہ و اولیائے امتہ و شہدائے محبتہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

غیبی آواز

مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۷۷ء پانیر اخبار میں ایک غیبی آواز کی خبر آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”تمہارے سب قبیح اسلحہ فنا کر دیئے جائیں“ یہ غیبی آواز جنوبی انگلستان کے ٹیلی ویژن پر بتاریخ ۲ نومبر ۱۹۷۷ء سنائی دی ہے۔

ہمارے یہاں ایک حدیث موجود ہے کہ حضرت صاحب الامرؑ کے ظہور کے وقت ایک غیبی آواز دنیا بھر میں سنائی دے گی جس کے سننے سے کل انسانی آبادی گھبرا جائے گی۔ تو اب ایسی غیبی آواز کا انتظار ہے۔ بہت سی پیشین گوئیاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت کا ظہور ۱۹۸۰ء میں ہونے والا ہے اس سلسلہ میں مسٹر ڈیکسن کی پیشین گوئی ہے کہ ۱۹۸۰ء میں ایک جوان کا ظہور ہوگا جو پوری نوع انسانی کی اصلاح کرنا شروع کر دے گا اور آئندہ صدی کے قبل ۱۹۹۹ء میں پوری نوع کی اصلاح ہو جائے گی۔ دوسری پیشین گوئی ایک ہندو فقیر نے دلی میں ایک بہت بڑی دیوار پر کھریا سے اردو میں بڑے حرفوں سے لکھ کر دی ہے کہ مسلمانوں کی چودھویں صدی کے آخری دن کوئی چین سے نکلے گا جو دنیا کو تہہ و بالا کر دے گا پھر مسلمانوں کے مہدی کا ظہور ہوگا اور وہ پوری دنیا کی اصلاح کریں گے۔ حساب لگائیے تو ہماری چودھویں صدی ۱۹۸۰ء میں ختم ہوتی ہے لہذا مسٹر ڈیکسن کی پیشین گوئی کے وقت کے لحاظ سے یہ پیشین گوئی مطابق ہے۔ انگلستان کا مشہور مورخ تو این بی اپنی ایک تصنیف میں لکھ چکا ہے کہ جس طرح فنا کرنے والے اسلحہ کی بہتات ہو رہی ہے جس سے ایک ایسی جنگ کا اندیشہ ہے جو اس کرہٴ عرض کو تباہ کر دے اسی طرح ایک روحانی شخص کی ضرورت ہے، جس کی شخصیت اتنی بلند ہو کہ اس کے مثل کوئی دنیا میں نہ پایا جاتا ہو بس ایسا ہی شخص اس تباہی سے بچا سکتا ہے۔

یوں ہی یہ بھی سنا گیا ہے کہ اہل ہندو کی پیشین گوئیاں ۱۹۸۰ء کے لئے ہیں لہذا اب ہم انتظار کرنے کے لئے تھوڑا وقت باقی ہے۔ کاش! ہم اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں ورنہ احادیث میں یہ بات بھی آگئی ہے کہ حضرت کا ظہور ہونے پر علمائے سوکثیر تعداد میں قتل کئے جائیں گے۔



(اشاعت اولی امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۲۲۰)

مرثیہ در حال حضرت حرؒ (بند ۱۶۰)

استاذ الاساتذہ نواب مولانا سید اصغر حسین فاخر اجتہادی

فارغ ہوا نماز سے کونین کا ولی
صلوات کی بلند صفوں میں صدا ہوئی
تعقیب سے کچھ اور بھی رتبے سوا ہوئے
دست دعا اٹھے، در حاجات وا ہوئے
(۵)

کم کم وہ ضو نجوم کی وہ ماہ کی ضیا
دہ چند چاندنی کی لب نہر وہ فضا
آتی تھی سرد جانب دریا سے وہ ہوا
جنگل سے آرہی تھی وہ سنائے کی صدا
سب شاہدان گل سے عنادل بھی دور تھے
خاموش آشیانوں میں اپنے طور تھے
(۶)

گلشن میں تیرگی گل سوسن کی تھی کہیں
تھی چاندنی کے پھول سے روشن کہیں زمیں
مش گل سحر تھے شگفتہ گل ثمنیں
شبم سے تر تھی پیرہن گل کی آستیں
ڈر تھا صبا کو پھول جو نازک دماغ تھے
لالہ کے دل کے داغ کے روشن چراغ تھے
(۷)

بکھرے تھے بال سنبل پیچاں کے سر بسر
تھی تیرگی شب بھی اسی سے زیادہ تر
تھے اپنے برگ و بار سے اشجار باخبر
بہر حفاظت زیرِ گل رات رات بھر
آنکھوں سے خواب خوف کے مارے ہوا ہوا
تھا پاسبان دیدہ نرگس کھلا ہوا

(۱)
جب آفتاب روزِ نہم کو نہاں ہوا
تاروں کو لے کے ماہ بھی جلوہ کنناں ہوا
حمرت مٹی سروں پہ سویدا عیاں ہوا
فوج امام عصر میں شورِ ازاں ہوا
ماموم خوش جماعت شبیر سے ہوئے
طار بھی مست نعرۂ تکبیر سے ہوئے
(۲)

فوج خدا میں بہر وضو بھی نہ تھا جو آب
ہمراہ شہ سبھوں نے تیمم کیا شتاب
حاضر ہوئے نمازِ جماعت کو شیخ و شاب
پڑھ کر دعائے ختم ازاں کا لیا ثواب
باندھو صفیں یہ حکم شہ جزو کل ہوا
قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کا ناگاہ غل ہوا
(۳)

قائم پئے نماز ہوئے قبلہ امام
قصد آپ نے کیا جو اقامت ہوئی تمام
ماموم سن کے نعرۂ تکبیرۃ الحرام
نیت کی ایک اک نے پس نیت امام
قربت کا تھا خیال جو دل کو شروع سے
چہرہ تھا زرد شہ کا خضوع و خشوع سے
(۴)

پاکیزہ وہ صفیں تھیں کہ کوثر کی موج تھی
سر پر عمامے نور کے، شکلیں وہ نور کی

(۸)

آرام سے جہاں میں نہ اس شب کو تھا کوئی
غنجے تھے چپ، گلوں کو بھی آتی نہ تھی ہنسی
نرگس یہ حال دیکھ کے بیمار ہو گئی
سوسن کے منہ پہ چھائی اداسی ملال کی
خار الم گلاب کے پاؤں میں گر گیا
لالے کے دل میں داغ اسی شب سے پڑ گیا

(۹)

پوچھا جو عندلیب قلم نے یہ ماجرا
تب باغبانِ باغ سخن نے یہ دی صدا
اس رات کو ہوجھیں کسی دل کو کیا بھلا
تاراج ہوگا صبح کو گلزارِ مصطفیٰ
ایسے سموم کے کبھی جھونکے چلے نہیں
پودے کٹیں گے وہ کہ جو پھولے پھلے نہیں

(۱۰)

ہوتا ہے حال فوجِ الہی کا اب بیاں
مصرف دل سے طاعتِ حق میں تھے سب جواں
ذکرِ رسولؐ و ذکرِ خدا میں تھی تر زباں
نعرے یہ دمبدم تھے فدائے شہِ زماں
باندھے ہوئے کمر تھے ارادے سفر کے تھے
شوقِ وغا میں شام سے شائقِ سحر کے تھے

(۱۱)

اک ایک سے یہ کہتا تھا بافخر و افتخار
کل ہونگے پہلے شاہِ زماں پر ہمیں نثار
کہتا تھا وہ کہ تم سے سوا میں ہوں بے قرار
مدت سے ہے مجھے تو بہت شوقِ کار زار
ہو جائے امتحان بھی شمشیر تیز کا
تم دیکھنا یہاں سے تماشا ستیز کا

(۱۲)

طے اس مہم کو حق کی مدد سے کریں گے ہم
دینی ہے جان خود نہ کسی سے ڈریں گے ہم
رخوں کے خوں میں سر سے قدم تک بھریں گے ہم
جیتے رہے تو شاہ پہ پہلے مریں گے ہم
اب لطفِ زندگی نہیں دنیائے زشت میں
جلدی کہیں ہوں قتل تو پہونچیں بہشت میں

(۱۳)

انصارِ شاہِ دیں میں یہ باتیں تو تھیں ادھر
ناموسِ مصطفیٰ میں بپا حشر تھا ادھر
بیتابِ تشنگی سے تھی ایک ایک نوحہ گر
اطفال بے قرار تھے سب سے زیادہ تر
سولہ پہر ہوئے تھے بہت تشنہ کام تھے
پانی کی جستجو تھی تو ہاتھوں میں جام تھے

(۱۴)

کیا کیا نہ قحطِ آب نے پیدا کیا اثر
سوکھے تھے ہونٹ، کانٹے پڑے تھے زبان پر
سوزِ عطش نے پھونک دیئے تھے دل و جگر
اشک آنکھ میں نہ تھے کہ صدف میں نہ تھے گھر
یوں ساتویں سے شاہ پہ بند آب ہو گیا
پانی کا قطرہ گوہرِ نایاب ہو گیا

(۱۵)

بچوں کو پیاس سے جو بڑھا اور اضطراب
دیکھا گیا نہ بنتِ علیؑ سے یہ حال زار
پانی کی جستجو میں چلیں ہو کے بے قرار
بچے بھی ساتھ ہولنے باچشمِ اشکبار
گھیرے تھے چار سمت سے ہاتھوں میں ہاتھ تھے
اطفال بیس حضرتِ زینبؑ کے ساتھ تھے

(۱۶)

خیموں میں اہلبیتؑ کے تھی جستجئے آب
پانی نہ جب ملا تو بڑھا اور اضطراب
فضہؑ سے تب یہ کہنے لگی بنت بوترا بؑ
کہہ یاورانِ شہؑ سے یہ جاکر بصد شتاب

رکھا ہو گو کہ شاہؑ خوش اقبال کے لیے
پانی جو ہو تو بھیج دو اطفال کے لیے

(۱۷)

فضہؑ نے ناصرانِ شہؑ دیں سے یہ کہا
ارشاد سب سے خواہر شہؑ نے ہے یہ کیا
پانی ہو جس کے پاس وہ لائے یہاں ذرا
ہیں تشنگی سے جاں بلب اطفالِ مہ لقا

کیوں خنجرِ الم سے نہ دل چاک چاک ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاس سے کوئی ہلاک ہو

(۱۸)

کی عرض ہاتھ جوڑ کے سب نے کہ آہ آہ
پانی نہیں ہے پاس کسی کے خدا گواہ
بحرِ الم میں کشتیؑ دل کیوں نہ ہو تباہ
پیاسے رہیں حسینؑ کے اطفالِ رشکِ ماہ

ہم سب پہ یوں جہان میں بند آب ہو گیا
آنسو بھی آنکھ میں دُرِ نایاب ہو گیا

(۱۹)

ناگاہ یہ بُریؑ نے انصارؑ سے کہا
ہوں پیاس سے ہلاک یہ اطفالِ مہ لقا
تبیحِ الم سے چاک نہ کیوں قلب ہو مرا
اس زندگی پہ خاک ہے جینے کا کیا مزا

اہلِ وفا کی خُلق و مروت سے دور ہے
کوئی سبیلِ آب کی کرنی ضرور ہے

(۲۰)

بولا کوئی کہ راست یہ کہتے ہو بھائی جاں
میری بھی جو صلاح ہے کرتا ہوں میں بیاں
بچوں کو ساتھ لے کے سوئے نہر ہوں رواں
پانی پلا کے لائیں انہیں گھر میں شادماں

غیرت یہی ہماری ہے، توقیر ہے یہی
بچوں کی پیاس بجھنے کی تدبیر ہے یہی

(۲۱)

بولا یہ کوئی، تم نے نہ کچھ فکر کی مگر
اس رائے کی بدی پہ ذرا کیجئے نظر
بچوں کو لے کے جانے میں دریا پہ ہے یہ ڈر
آمادہ ہم سے جنگ پہ ہوں گے وہ اہل شر

کیا ذلتوں کا سامنا پھر عمر بھر ہوا
زنجی خداِ نخواستہ کوئی اگر ہوا

(۲۲)

نزدیک عاقلوں کے رہے گا نہ اعتبار
اہلِ حرم کی آنکھوں میں کھٹکیں گے مثلِ خار
ہوگی کبھی نہ سید والا سے آنکھ چار
جنت میں ہونگے احمدؑ و حیدرؑ سے شرمسار

حاصل کیا ثواب کے بدلے عذاب کیا
پوچھے گا خود کریم تو دیں گے جواب کیا

(۲۳)

بہتر یہ ہے کہ نہر پہ ہم تم چلیں شتاب
بچوں کے واسطے ابھی بھر لائیں مشکِ آب
روکے گی فوجِ گر، تو لڑیں گے بصد عتاب
لڑ بھڑ کے آب لائے تو ہوگا ہمیں ثواب

مقتول گر ہوئے تو شہادتِ حصول ہے
دونوں طرح سے ہم کو سعادتِ حصول ہے

(۲۴)

تدبیر یہ ہر ایک کو آئی پسند جب
دریا پہ مشک لے کے روانہ ہوئے وہ سب
تاریک اور بھی تھی سوادسپہ سے شب
گھیرے ہوئے تھے گھاٹ کو سب دشمنان رب

شب خونکا تھا خیال یزیدی سپاہ کو
رستہ کہیں نہ ملتا تھا پیک نگاہ کو

(۲۵)

اس بھیڑ کو ہٹاتے ہوئے آئے گھاٹ پر
مشکیزہ بھر کے شیر سا پلٹا جو شیر نر
اعدا کی مشک آب پہ ناگہ پڑی نظر
بڑھ آئے روکنے کو جوانان فوج شر

آمدہ و غا ہوئے جنگی سپاہ سے
ریتی میں مشک آب چھپادی نگاہ سے

(۲۶)

کاندھوں سے غازیوں نے کماں لی بصدوقار
اتنے لگائے تیر کہ سب ہو گئے فرار
رستہ کھلا تو لے کے وہ مشکیزہ ایک بار
جلدی رواں ہوئے سوئے خیمہ وہ نامدار

ارمان بس یہ تھا دل پُر اضطراب کو
پہونچا دوں بارگاہ میں اس مشک آب کو

(۲۷)

ناگہ پہنچ کے دی در خیمہ پہ یہ صدا
حاضر ہے یہ حضور میں مشکیزہ آب کا
گھبرا کے صحن خانہ میں پھینکا غضب کیا
پانی کی مشک دیکھ کے دل غنچہ سا کھلا

اطفال دوڑے ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے
اصغر کو لائیں گود میں مادر لئے ہوئے

(۲۸)

اطفال آکے مشک سے لپٹے بصد شتاب
تسمہ شکستہ ہو گیا دل کو رہی نہ تاب
پیاسوں کے آگے بہہ گیا سارا زمیں پہ آب
بولی سکینہ اپنی پھوپھی سے باضطراب

سوزِ عطش سے ہائے جگر میرا جل گیا
افسوس پانی ہاتھ میں آکر نکل گیا

(۲۹)

پہنچا جو نیم جانوں کو صدمہ یہ جاں گسل
فرط بکا سے ہو گئی معصوم مضحل
پانی کے ساتھ بہہ گیا اشکوں میں خون دل
رکھتے تھے اس خیال سے سینے بروئے گل

تسکین ہو تو زیست کا کچھ اعتبار ہو
شاید زمیں کی برد سے دل کو قرار ہو

(۳۰)

اک آہ کر کے حضرت زینبؑ نے یہ کہا
بچو! زمیں سے سینے اٹھاؤ پئے خدا
تقدیر ہی میں آب نہ تھا وامصیبتا
پانی سے ہاتھ دھوؤ، کرو صبر میں فدا

فضلِ خدا سے تم تو ہو کچھ ہوشیار بھی
پیاسا ہے تین روز سے یہ شیر خوار بھی

(۳۱)

اس رنج سے بریرؑ کا شق ہو گیا جگر
آنکھوں سے جائے اشک بہا خوں عذار پر
دامن مژہ کا دامن گل سے تھا سرخ تر
لب پر تھا یہ کہ بخت سے مجبور ہے بشر

دور فلک میں پیاسوں کی قسمت بھی مل گئی
پانی کے ساتھ خاک میں محنت بھی مل گئی

(۳۲)

تھا اس طرف تو یہ شب عاشور رنج و غم
اور اس طرف تھے عیش کے سامان سب بہم
یہ شب تھی ان کو عید کی شب سے کبھی نہ کم
مشتاق صبح جنگ تھے سب بانی ستم

آبادہ ظلم و جور پہ فوج یزید تھی
سبط نبی کا خون بہانے کی عید تھی

(۳۳)

ناگاہ اپنے دل میں یہ حُرنے کیا خیال
شہ کو کہیں خطائے عنان پر نہ ہو ملال
خدمت میں چل حسین کی تانیک ہو مال
ہو جرم سے بھی پاک جو بخشے علی کا لال

دوزخ نہ مول لے دل بیکس کو توڑ کے
سر رکھ دے پائے شاہ پہ ہاتھوں کو جوڑ کے

(۳۴)

یہ سوچ کر چلا سوئے فوج شہ ہدا
پہنچا قریب لشکر دیں جب وہ باوفا
عباس نامدار نے دی بڑھ کے یہ صدا
آتا ہے کون وقت یہ آنے کا کون سا

دے گا کوئی خبر عمر بد صفات کو
ہے پیک فوج شام جو آیا ہے رات کو

(۳۵)

بھیجا ہے کس نے؟ نام ترا کیا ہے؟ کیا ہے کام
بولا وہ، آپ آیا ہوں میں، حُرنے میرا نام
کچھ کام خود حضور سے رکھتا ہے یہ غلام
لے چلئے مجھکو پیش شہنشاہ تشنہ کام

ہر چند میرے جرم و معاصی عظیم ہیں
بخشیں گے پر ضرور خطا وہ کریم ہیں

(۳۶)

پہنچی جو حُر کے گوش مبارک میں یہ صدا
بیتاب ہو کے شاہ نے عباس سے کہا
آیا ہے اب یہ راہ پہ اے میرے باوفا
آنے دو میرے پاس پریشاں نہ ہو ذرا

یہ عجز ہے پسند خدائے غفور کو
آتا ہے میرے پاس یہ عفوِ قصور کو

(۳۷)

یہ سن کے شاد ہو گئے عباس نامدار
سمعاً و طاعت کی صدا دے کے ایک بار
لے آئے حُر کو خدمت شہ میں بصد وقار
حاضر ہوا وہ ہاتھوں کو باندھے بانکسار

آنکھیں بچھائیں پائے مبارک کی خاک پر
سر رکھ دیا حضور کے نعلین پاک پر

(۳۸)

کی عرض شاہ دیں سے کہ عفوِ قصور ہو
تاریکی گناہ مرے دل سے دور ہو
خوش ہوں رسول، شاد خدائے غفور ہو
تاباں مثال مہر کے ایماں کا نور ہو

اللہ میری عرض کو تسلیم کیجئے
آقا اصول دیں مجھے تعلیم کیجئے

(۳۹)

سر پاؤں سے اٹھا کے یہ شبیر نے کہا
بخشی خدا نے، میں نے، نبی نے تری خطا
پھر گوش حُر میں آپ نے ارشاد کچھ کیا
فیض نفس سے نخل تمنا ہرا ہوا

دامان آرزو گل مقصد سے بھر دیئے
دم میں اصول دیں اسے تعلیم کر دیئے

(۴۰)

پوری ہوئی مراد تو حرّ شاد ہو گیا
پھر پھر کے گرد سبط نبیؐ پر فدا ہوا
کچھ عرض کر کے جانب فوج ستم چلا
مقصد یہ تھا، غلام ہوں لیکن ہوں با وفا

کہہ کر میں افسر سپہ روم و شام سے
لوں گا سحر کو جنگ کی رخصت امامؑ سے

(۴۱)

پہنچا جب اپنے خیمہ میں وہ مرد با وفا
بھائی سے اور غلام پسر سے یہ تب کہا
جائیں ہزار ہوں تو کروں شاہؑ پر فدا
حاصل ہوئی مراد پھلا نخل مدعا

بخشی خطا، اصول بھی دیں کے بتادیئے
دو انگلیوں میں قصر جناں بھی دکھادیئے

(۴۲)

یہ شب ہے مجھ کو شاق کہیں جلد ہو سحر
کہہ کر عمر سے جاؤں سوئے شاہؑ بحر و بر
کون اہل عقل ہوگا جہاں میں کوئی بشر
قصر جناں مٹا کے بنائے سقر میں گھر

خون امامؑ ہوگا بھلا کس سعید سے
پھیرے چھری حسینؑ پہ حکم یزید سے

(۴۳)

حرّ کے پسر نے، بھائی نے، خادم نے یہ کہا
بیشک یونہی ہے، آپ نے ارشاد جو کیا
ناصر امام دیں کے ہوں ہم، فخر کی ہے جا
ارماں یہی ہے اور یہی دل کا مدعا

بے دین و بادہ خوار کی بیعت کو توڑ کے
چلئے ابھی بہشت میں دوزخ کو چھوڑ کے

(۴۴)

حرّ نے کہا کہ صبح کو جانا صلاح ہے
بہتر یہی ہے اور اسی میں فلاح ہے
تاخیر مصلحت سے جو ہو وہ مباح ہے
دم میں طلوع ہونے کو نجم صبح ہے

مثل چراغ صبح کے خود بے ثبات ہے
کٹتی ہے کوئی دم میں کہ یہ پچھلی رات ہے

(۴۵)

یہ ذکر تھا کہ نجم سحر جلوہ گر ہوا
روشن ضیائے صبح سے ہر بام و در ہوا
کانوں کے پار نالہ مرغ سحر ہوا
بے نور مثل دیدہ اعلیٰ قمر ہوا

کس طرح فرق آئے نہ نور نگاہ میں
جالا یہ آنکھ میں ہے کہ دھبا ہے ماہ میں

(۴۶)

چشم شناخت کو بھی یقین صبح کا ہوا
پھیلی بیاض صبح کی چاروں طرف ضیا
مرغان خوش نوا کی صدائیں وہ خوش نوا
تھم تھم کے دلفریب وہ چلنا نسیم کا

تھا لطف برگہائے درختاں میں ساز کا
آکھیلیوں میں طور تھا رفتارِ ناز کا

(۴۷)

چلنا وہ اعتدال سے خنکی وہ معتدل
کھل جائیں مثل غنچہ مریموں کے جس سے دل
بشاش ان ہواؤں میں ہوتے ہیں مضحل
بلبل کو بھی رہانہ غم ہجر جاں گسل

مرجھا گئی تھی جو وہ کلی دل کی کھل گئی
بلبل بھی صبح ہوتے ہی پھولوں سے مل گئی

(۴۸)

کوکو کی وہ پکار وہ حق سرّہ کا غل
طاؤس کی وہ کوک کہ کوئی بجا دہل
شبنم سے ہیں بھرے ہوئے پھولوں کے جام مل
وہ سبز و زرد و سرخ، شگفتہ چمن میں گل

بلبل کا دل ہر ایک کلی پر نثار ہے
رنگ شفق سے باغ کی دونی بہار ہے

(۴۹)

داماں بے ہیں دشت کے پھولوں کی وہ مہک
قوت جو دے نگاہ کو سبزے کی وہ لہک
گوہر سے بڑھ کے قطرہ شبنم کی وہ چمک
پڑتی تھی چھوٹ خاک پہ پتوں کی وہ جھلک

گرد و غبار قطرہ شبنم جو دھو گئی
آئینہ شاہدان چمن کی یہ ہو گئی

(۵۰)

لیکن ہے اس سحر سے زمانے میں غم عیاں
اس صبح کے اثر سے نہیں کوئی شادماں
جنگل میں خاک اڑتی ہے گلشن میں ہے خزاں
قمری بھی آج سرو پہ ہے مائل فغاں

گل سینہ چاک بلبل نالاں کے ساتھ ہیں
شاخیں یہ بل رہی ہیں کہ ماتم کے ہاتھ ہیں

(۵۱)

مثل زمیں فلک پہ بھی یونہی کرو قیاس
پہنے ہے آسمان بھی خود ماتمی لباس
ہے زرد مہرق ہے رخ مہ بصد ہراس
چھایا ہوا تمام جہاں پر ہے ابریاں

اس غم سے جو ہے خلق میں وہ دردناک ہے
خود صبح اس سحر سے گریبان چاک ہے

(۵۲)

اُس صبح کو جہاں میں نہ مسرور تھا کوئی
ہاں تھی اگر تو اک حُر غازی کو تھی خوشی
تھا انتظار شب سے کہیں صبح ہو ابھی
ہمراہ رنج و غم کے نمایاں سحر ہوئی

اس کا تو دست غم سے گریبان نکل گیا
یہ خوش ہوا کہ قلب سے ارماں نکل گیا

(۵۳)

کرتا تھا اپنے دل سے یہ باتیں وہ باوفا
پڑھ لیں نماز صبح تو حاصل ہو مدعا
جائیں عمر سے کہہ کے سوئے شاہ کربلا
روکے اگر مجھے تو قیامت کروں پپا

کاٹھی سے تیغ کھینچ کے اس سے ونا کروں
بڑھ کر رئیس فوج کا سر میں جدا کروں

(۵۴)

لے جاؤں زلفیں تھام کے سر اس شریک کا
ہو پیش کش حضور میں ہدیہ فقیر کا
خوش خوش ہو دل حرم میں صغیر و کبیر کا
مجھ پر کرم ہو ابن جناب امیر کا

دیں گے ضرور اس کے عوض میں دعا مجھے
دونوں جہاں میں ہوگا عنایت صلہ مجھے

(۵۵)

باتیں ابھی یہ کرتا تھا دل سے وہ باوفا
وقت نماز صبح فضیلت پر آگیا
بہر وضو غلام سے پانی طلب کیا
فارغ وضو سے ہو کے فریضہ ادا کیا

کی عرض ہاتھ اٹھا کے جناب الہ میں
محسوب کر مجھے بھی شہیدان شاہ میں

(۵۶)

فارغ دعا سے، شکر کے سجدے سے جب ہوا
اک اک سلاح جنگ کو زیب بدن کیا
تغ و سنان و خنجر و ناوک کے ماورا
وہ حربے سب لئے کہ جو تھے قابلِ وغا

بیتاب تھا جو شب سے شہادت کے واسطے
باندھی کمر حسینؑ کی نصرت کے واسطے

(۵۷)

جب سچ سچا کے خیمہ سے نکلا وہ ذی وقار
اسپ بلند و تیز پہ غازی ہوا سوار
راہی ہوا سوئے پسر سعد نابکار
پہنچا تو بے سلام کہا اس سے ایک بار

کیا صلح اب نہ ہوگی شہِ مشرقین سے
کیوں، آج تو ضرور لڑے گا حسینؑ سے

(۵۸)

اس نے کہا کہ ہے یہ کوئی گفتگو کا طور
نہ بندگی نہ عرض، نہ تسلیم، کر تو غور
ترک ادب رئیس کا یہ بھی ہے ایک جور
میں دیکھتا ہوں آج تو کچھ ہو گیا ہے اور

کیا حرف بے محل یہ زباں سے نکل گئے
تیرے تو صبح ہوتے ہی تیور بدل گئے

(۵۹)

کہتا ہے تو جو صلح کو، سن اُس کو بھی ذرا
بیعت کریں یزید کی گر سبطِ مصطفیٰ
پھر ہے اماں کوئی بھی نہ اُن سے کرے وغا
بے اس کے جینا شاق ہے ابنِ بتول کا

مہلت نہ اب ملے گی شہِ مشرقین کو
بیشک شہید آج کریں گے حسینؑ کو

(۶۰)

غازی نے یہ جواب میں اس سے کئے کلام
ہے بندگی حق سے شب و روز مجھ کو کام
جو دشمن خدا ہو اسے کیوں کروں سلام
بے دیں رئیس کا ہے ادب قاعدہ حرام

ہادی ہوئے حسینؑ نیا طور ہو گیا
سچ ہے میں صبح ہوتے ہی کچھ اور ہو گیا

(۶۱)

قربان میں امامؑ کے، بخشی مری خطا
بہکا ہوا تھا، دین کا رستہ بتادیا
کر سکتا ہے حسینؑ سے کوئی مقابلہ
لیکن ہے خود حضور کو ارماں جہاد کا

اب رستگار ہوئے گی امت رسولؐ کی
طفلی سے آپ شہ نے شہادت قبول کی

(۶۲)

تجھ کو اگر خدا و پیہبرؐ سے کام ہو
پیر و امام دیں کا ہو، عقبی میں نام ہو
خود ہی امیر شام مطیع امام ہو
فیصل ہو یہ نزاع یہ قصہ تمام ہو

دونوں جہان میں ہے حکومت حسینؑ کی
واجب ہے جن و انس پہ بیعت حسینؑ کی

(۶۳)

چل میرے ساتھ، شاہ کی بیعت قبول کر
خون امام کر کے جہنم میں لے نہ گھر
تجھ کو ہو یا نہ ہو، ہے مجھے دہشت سقر
اب صاف صاف تجھ کو میں دیتا ہوں یہ خبر

ہوں گا رفیقِ شاہ ترا ساتھ چھوڑ کے
جاتا ہوں لے یزید کی بیعت کو توڑ کے

(۶۴)

بولا عمر کہ آج ترا دھیان ہے کدھر
میرا نہ ہے خیال نہ حاکم کا کچھ ہے ڈر
جانا وہ چھپ کے شب کو سوئے شاہِ بحر و بر
جو جو ہوئی ہیں باتیں مجھے سب کی ہے خبر

کیا مل گیا ہے سبط رسالت پناہ سے
وعدہ کیا ہے صبح کے آنے کا شاہ سے

(۶۵)

نوکر امیر شام کا برسوں رہا ہے تو
کھا کر نمک کوئی بھی یہ کرتا ہے گفتگو
جن کی طرف چلا ہے تو اے مرد نیک خو
پانی بھی ان کے پاس نہیں ہے پئے وضو

دولت کو چھوڑتا ہے یہ امر عجیب ہے
جز فقر وفاقہ اور کچھ ان کو نصیب ہے

(۶۶)

مانا کہ تیری دولت و زر پر نہیں نظر
پر آبرو و جاں تو ہے سب سے زیادہ تر
ہوگا حقیر سب کی نگاہوں میں جا اُدھر
جاتا ہے جن کے پاس انہیں کا کٹے گا سر

جائے گی جان آج شہِ مشرقین کی
کہتا ہوں پھر، کہ خیر نہیں ہے حسین کی

(۶۷)

انصار شہ سے آج بچے گا نہ ایک بھی
کیا لے چلی ہے جانبِ سرور قضا تری
مجھ کو یہی خیال ہے رنج و قلق یہی
جز جان جانے کے ہے وہاں فائدہ کوئی

مجرم تو آپ بتا ہے مجرم کے ساتھ سے
دشمن ہے اپنی جان کا کیوں اپنے ہاتھ سے

(۶۸)

غصہ میں آ کے حرّ نے عمر سے یہ تب کہا
ڈرتا نہیں کسی سے بھی بندہ بجز خدا
تو کس حساب میں ہے وہ تیرا امیر کیا
جاتا میں چھپ کے کیوں طرف شاہِ کربلا

سچ ہے وفائے وعدہ کی نوبت اب آئی ہے
سبطِ نبی سے دولت دیں میں نے پائی ہے

(۶۹)

نوکر امیر شام کا برسوں اگر رہا
پھر کیا تجھے ہے ناز کہ وہ وقت اور تھا
ڈالا تھا ہاتھ باگ پہ کم کی تھی یہ خطا
جو ہو گیا وہ جہل کی حالت میں ہو گیا

افسر سے کچھ غرض ہے، نہ حاکم سے کام ہے
اب نوکری یزید کی مجھ کو حرام ہے

(۷۰)

نازاں ہے آب بند کیا ہے جو شاہ پر
مجبور پر نہیں ہیں شہنشاہِ بحر و بر
دریا خود آئے دوڑ کے، چاہیں حسین اگر
اے بے خبر وہ ساقی کوثر کے ہیں پسر

فاتوں کا کچھ ہراس نہ ڈرے نہ ہول ہے
الْفَقْرُ فَخْرِي آپ کے نانا کا قول ہے

(۷۱)

جو دشمن خدا و نبی ہیں وہ ہیں ذلیل
تیرا بیان آپ حقارت کی ہے دلیل
پیش خدا وقار شہیدوں کا ہے جلیل
ارمان ہے کہ راہ خدا میں میں ہوں قاتل

سب طرح خیریت ہے شہِ دیں پناہ کی
ہے بہتری اسی میں غلامانِ شاہ کی

(۷۲)

مردوں کو جان جانے کی دہشت نہیں کبھی
لڑ کر مرے جو تیغ سے ساونت ہے وہی
ارماں مرا یہی ہے تمنا مری یہی
نعلین پائے شاہ پہ قرباں ہو جاں مری
مظلوم وبے دیار کی نصرت نصیب ہو
کٹ جائے سر کہیں کہ شہادت نصیب ہو

(۷۳)

سن لے یہ کان کھول کے، او خانما خراب
چھوڑوں گا میں نہ ہاتھ سے ہرگز رہ صواب
ڈرتے نہیں کسی سے غلامانِ بوتراب
اب کچھ کہا، تو تیغ سے دوں گا تجھے جواب
مجبور کیوں ہو وہ کہ جسے اختیار ہو
بہتر ہے میری تیری ابھی کار زار ہو

(۷۴)

سردار ہو کے تمنغہ نہ لے بے حیائی کا
یہ وقت میری تیری ہے تیغ آزمائی کا
چل جائے ہاتھ دونوں طرف سے صفائی کا
سب پہلوان دیکھیں تماشا لڑائی کا
لشکر میں غل ہو جنگ کی صورت بدل گئی
حُر سے، رئیس فوج سے تلوار چل گئی

(۷۵)

یہ سن کے غیظ میں عمر سعد نے کہا
بس بس خاموش مجھ سے مقابل تو ہوگا کیا
تکرار جب بڑھی تو بہم غیظ بھی بڑھا
گرد افسران فوج کا نبوہ ہو گیا
غم شیر کو شکار کے جانے کا دے گئے
خیمے میں سب بچا کے سنگمر کو لے گئے

(۷۶)

تن کا پتا تھا غیظ سے حُر کا یہ حال تھا
لڑتا یہ مجھ سے کیا یہی دل میں خیال تھا
ظالم کا ایک ہاتھ میں بس انفصال تھا
نگلی نہ آرزوئے دلی یہ ملال تھا
کاٹھی سے تیغ کھینچ کے جرار رہ گیا
ہاتھوں کو مل کے حُر وفادار رہ گیا

(۷۷)

بھائی، پسر، غلام بھی آپہنچے تھے قریں
سمجھا کے لے گئے طرف فوج شاہ دیں
پہونچا تو نور دیں سے چمکنے لگی جبیں
آیا مگر ادب سے نہ پیش شہ میں
عباسؑ نے حضوری شہ میں بلالیا
اٹھ کر امام دیں نے گلے سے لگالیا

(۷۸)

مانند عید حُر سے گلے ایک اک ملا
فرط خوشی سے غنچہ دل سب کا کھل گیا
باہم یہ کہہ رہے تھے کہ کیا کام ہے کیا
فوج خدا میں شور تھا احسنت و مرحبا
حق کا، نبیؐ کا مورد امداد ہو گیا
حُر تھا جو نام، نار سے آزاد ہو گیا

(۷۹)

فضہؑ نے جا کے بنت علیؑ کو یہ دی خبر
آیا ہے رن سے شاہ کی نصرت کو حُر ادھر
بھائی ہے اور غلام ہے ساتھ اس کے اور پسر
اس وقت خوش بہت ہیں شہنشاہ بحرور
ایسی خوشی ہوئی ہے شہ دیں پناہ کو
شاد اس سفر میں یوں کبھی دیکھا نہ شاہ کو

(۸۰)

مسرور ہو کے حضرت زینبؓ نے یہ کہا
مظلوم کی مدد کے لیے آئے میں مرجبا
امداد ان کی دونوں جہاں میں کرے خدا
پوری یہ آرزو بھی ہو اے میرے کبریا

حاصل خوشی ہو رنج و محن سے اسی طرح
شیعہ مدد کو آئیں یمن سے اسی طرح

(۸۱)

افسوس ہے کہ شاہ کا مہماں ہوا یہ کب
اک جام آب پر بھی نہیں اختیار جب
مغموم ہوں گے مجھ سے سوا شاہ تشنہ لب
کیا دے بجز دعا کے یہ محتاج اس کو اب

ہر طرح کی بلا میں گرفتار آج ہیں
مجبور ہیں، غریب ہیں، نادار آج ہیں

(۸۲)

آج اختیار کچھ نہیں خود ہیں اسیر غم
کل حشر میں خدا سے سفارش کریں گے ہم
خاطر کریں گے خلد میں حُر کی شہِ ام
حورِ قصور دے گا خداوند ذوالکرم

ہوگی نگاہِ لطف رسالتِ پناہ کی
دعوت کریں گے خلد میں مہماں شاہ کی

(۸۳)

ایسا نہیں ہے واں بھی جو اس کا صلہ نہ ہو
ممکن نہیں خدا کی جو مہر و عطانہ ہو
بے خاطری سے حُر کہیں دل میں خفانہ ہو
گر کچھ نہیں، تو خلق و مروت بھی کیا نہ ہو

دعوت کے بدلے شاد ہوں شیریں زبان سے
کہہ دے کوئی سلام مرا میہماں سے

(۸۴)

زینبؓ کے اس بیان سے سب روئیں بی بیاں
فضہؓ نے جا کے درپہ کہا یہ بصد فغاں
اے ناصرانِ قبلہؓ شاہنشہ زماں
حُر سے کیا ہے دخترِ حیدرؓ نے یہ بیاں

سب حال ہے عیاں، نہیں حاجت بیان کی
دعوت بھی ہم سے ہو نہ سکی میہماں کی

(۸۵)

دے یادِ ربّ شہ کا صلہ ربّ ذوالمنن
دعوت کریں بہشت میں مہماں کی پنجتن
ہم سب ہیں آج آپ اسیر غم و محن
خاطر یہاں بھی کرتے تری ورنہ بے وطن

کیا خوش کیا ہے حیدرؓ و زہراؓ کی جان کو
پہنچے سلامِ بنتِ علیؓ میہماں کو

(۸۶)

یہ سن کے یادِ ربّوں میں تلاطم بپا ہوا
مہماں شاہِ دیں نے بصد یاس یہ کہا
ارشاد ہو سلام مجھے فخر کی ہے جا
اس بندہ ذلیل کو یہ مرتبہ دیا

ہم خادموں کی قدر اسی گھر پہ ختم ہے
مہماں نوازی آلِ پیہر پہ ختم ہے

(۸۷)

یہ ذکر تھا ابھی کہ بجا طبلِ جنگ ادھر
ایمائے شاہ لے کے ہراک نے کسی کمر
چھوٹی سی فوج بھی ہوئی تیار جب ادھر
آئے ادھر سے تیرِ حسینی سپاہ پر

آغاز بد ہے نیک ہو انجامِ جنگ کا
پیکِ خدنگ لائے ہیں پیغامِ جنگ کا

(۸۸)

حُزْنِ یہ حال دیکھ کے دل میں کیا خیال
حضرت سے لے نہ اور کوئی رخصت جدال
فیاض ہے سخی ہے رسول خدا کا لال
سائل کا شاہ نے نہ کبھی رد کیا سوال

کر عرض اذن دیجے مجھے رزم گاہ کا
کیجے حضور حُر کو ہراول سپاہ کا

(۸۹)

آیا ادب سے سر کو جھکائے حضور شاہ
کی دست بستہ عرض کہ یا شاہ دیں پناہ
ارمان بس یہ اور ہے اے فاطمہ کے ماہ
دیجے مجھے خدا کے لئے اذن رزم گاہ

برلایئے مراد مجھے شاد کیجئے
حُر کو خدا کی راہ میں آزاد کیجئے

(۹۰)

خادم جناں کے شوق میں جینے سے تنگ ہے
مرنے کی آرزو ہے وغا کی امنگ ہے
شب سے غلام آپ کا مشتاق جنگ ہے
آقا! میں کیا کہوں جو مرے دل کا رنگ ہے

زخموں کے گل ہوں جسم پہ لطف بہار ہو
ہو سیر باغِ خلد تو دل کو قرار ہو

(۹۱)

سب یاورانِ شہ کو وغا کا ہے ولولہ
غازی یہ وہ ہیں، ہے جنہیں مرنے کا حوصلہ
بپھرے ہوئے ہیں شیر کہ ہوئے مقابلہ
رخصت کسی کو دی تو مجھے ہوگا پھر گلہ

پہلے وہ مرے تازہ جو خدمت گزار ہے
سبقت میں اذن جنگ کے پھر اختیار ہے

(۹۲)

گویا زبان حال سے کہتے تھے یہ امام
تجھ سے بہت فُجَل ہے یہ مظلوم و تشنہ کام
کچھ ہوسکا نہ آج ضیافت کا انصرام
مرنے کی دوں رضا تجھے اے مرد نیک نام

فرقت کا غم ابھی تو نہ دے میزبان کو
رخصت کسی نے گھر سے کیا میہمان کو

(۹۳)

مہماں کی میزبان سے دعوت نہ ہوسکی
وجہ وجیہہ رفعِ خجالت نہ ہوسکی
جو چاہتا تھا میں وہ مروت نہ ہوسکی
افسوس، کچھ حسین سے خدمت نہ ہوسکی

گذری نہ اک گھڑی بھی یہاں تجھ کو چین سے
کوئی ادا ہوا نہ ترا حق حسین سے

(۹۴)

اب سب سے بڑھ کے یہ ہے کہ مرنے کی دوں رضا
اچھا اگر یہی ہے تو جلدی ہے اتنی کیا
ہیں اور بھی تو منتظر رخصت وغا
راہ خدا میں پہلے وہی سر کریں فدا

مجھ کو ابھی فراق ترا ناگوار ہے
ان سب کے بعد خیر تجھے اختیار ہے

(۹۵)

بولے حبیب اذن وغا دیں مجھے، امام
ہے کام کا وہی کہ جو اس وقت آئے کام
منہ دیکھنے کے واسطے آیا ہے کیا غلام؟
کیوں کر فدا نہ ہوں، یہی مرنے کا ہے مقام

مرنے کے قابل اے شہِ دلگیر ہو گیا
طفلی سے ساتھ کھیل کے میں پیر ہو گا

(۹۶)

بچپن کا میں رفیق ہوں یا شاہ کربلا
شرط وفا یہی ہے کہ پہلے ہوں میں فدا
ادنا ہوں ایک میں بھی علمدار فوج کا
آگے رہوں میں سب کے یہی کام ہے مرا
اب فوج بھی رہے گی نہ دنیائے زشت میں
پہنچوں علم لئے ہوئے پہلے بہشت میں

(۹۷)

بولے زہیر، فوج کی زینت ہے آپ سے
ظل علم میں چین سے لشکر و غاکرے
گر بادباں کھلا ہو تو کشتی نہ کیوں چلے
دے دیں حضور جنگ و جدل کی رضا مجھے
گمنام کو خیال کوئی نام کا نہیں
مرجانے کے سوا میں کسی کام کا نہیں

(۹۸)

اللہ کیا دلیر تھے انصارِ شاہدیں
ایک ایک چاہتا تھا کہ پہلے مرے ہمیں
کرتا تھا ایک ایک مدلل بیاں یونہیں
نعرے یہی تھے سب کے، فدائے شہسبیں
واں ولولہ ہے جنگ کا دل بے قرار ہیں
مولا ادھر سمجھوں کے لئے اشکبار ہیں

(۹۹)

دیکھا جو حُر نے حال یہ انصارِ شاہ کا
یعنی ہر اک مصر ہے پئے رخصت و غا
کس طرح لوں حضور سے میں جنگ کی رضا
دل نے طریق راہ رضا یہ بتا دیا
پھر پھر کے گرد فاطمہ کے نور عین کے
سر رکھ دیا جھپٹ کے قدم پر حسین کے

(۱۰۰)

منت سے روکے عرض یہ اس نے کئے کلام
بے اذنِ جنگ، سر نہ اٹھائے گا اب غلام
بہر خدا رضا مجھے اب دیجئے امام
اصرار جب کیا تو یہ بولے شہِ انام
روتا ہے کیوں، وغا کی اجازت ملی تجھے
لے سر اٹھا، حسین سے رخصت ملی تجھے

(۱۰۱)

سرپائے شاہِ دیں سے اٹھایا بصد سرور
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے کبریا کے نور
رخصت کو میں مصر ہوا یہ بھی ہے اک قصور
گستاخیاں معاف مری کیجئے حضور
اصرار خواہشوں پہ ادب کے خلاف ہے
فرمایا مسکرا کے تجھے سب معاف ہے

(۱۰۲)

تسلیم کی حضور کو حُر نے بصد ادب
فرمایا ان سے شاہ نے جو تھے رضا طلب
کرنا نہ کچھ ملال تم اے بندگان رب
رخصت نہ دی ابھی تمہیں اس کا ہے یہ سبب
انکار عرضِ حُر کا مروت سے دور تھا
نیکس کو پاس خاطرِ مہماں ضرور تھا

(۱۰۳)

کی عرض سب نے اے شہِ گون و مکاں حسینؑ
روح علیؑ، رسولؐ کے آرام جاں حسینؑ
قاصر ہے تیری مدح و ثنا میں زباں حسینؑ
قربان اس لحاظ کے اے قدر داں حسینؑ
جانیں نثار فاطمہؑ کے نور عین پر
ہم سب کے باپ ماں بھی فدا ہوں حسینؑ پر

(۱۰۴)

سب سے وداع ہو کے چلا حُرّ نامدار
تن پر سلاح جنگ لگائے بصد وقار
لایا فرس غلام تو غازی ہوا سوار
کیفیتیں دکھانے لگا اپنی راہوار

شوخی سے اس طرف کبھی اس سمت مڑ گیا
چاٹا کبھی دہانہ کبھی جم کے اڑ گیا

(۱۰۵)

بھائی پسر غلام بڑھے بہر کار زار
یہ تین تھے دلیر ادھر فوج بے شمار
اک اک جری نے قتل کئے رن میں چار چار
آخر ہوئے شہید یہ تینوں وفا شعار

رن میں نہ کیوں بلند ہوں شور آہ آہ کے
روتا تھا حُرّ بھی لاشوں پہ ہمراہ شاہ کے

مطلع ثالث (۱۰۶)

جب دشت کیں کو اشہب غازی رواں ہوا
رُوئے جری سے رعب و تہور عیاں ہوا
محو نظارہ فوج میں ہر اک جواں ہوا
ہنگامہ یہ سپاہِ عدو میں وہاں ہوا

جولاں ہے اسپ تیز و غا کی امنگ میں
آتا ہے کون جنگ کو میدان جنگ میں

(۱۰۷)

ناگاہ دیدباں نے یہ دی فوج کو خبر
ہشیار ہو کہ جنگ کو آتا ہے حُرّ ادھر
ڈوبا ہوا ہے قلزم آہن میں سر بسر
یہ خود مثل ماہ کے سر پر ہے جلوہ گر

یان سے زمیں پہ عکس جییں آشکار ہے
میتاب برق ہے کہ فرس بے قرار ہے

(۱۰۸)

صرصر سے بڑھ کے تیز روی باد پاکی ہے
ساتھ اس کا دے مجال بھلا کیا ہوا کی ہے
کیفیت اس کی چال میں ناز و ادا کی ہے
کلنی ہے تاج فرق پہ رفعت ہما کی ہے

بے مثل یمن میں ہے سعادت میں ایک ہے
ما تھے پہ ہے ستارہ مگر اس پہ نیک ہے

(۱۰۹)

نور جمین حُرّ کا یہ عالم تھا کب یہاں
کچھ آب و تاب منہ پہ صباحت سے تھی عیاں
لیکن کہاں یہ حسن تھا یہ نور تھا کہاں
تاباں مثال ماہ ہے اب رخ کی ہے یہ شاں

کیا صحبت حسینؑ نے دم میں اثر کیا
ذرہ کو آفتاب میں نے قمر کیا

(۱۱۰)

مشہور تھا ہزار میں افسر کے نام سے
لڑتا بھی گر حسینؑ سے تو اہتمام سے
جرات بھی دل کی بڑھ گئی فیض امامؑ سے
لڑنے اکیلا آیا ہے اب فوج شام سے

ہیبت سے ہے نمود کہ غصہ میں شیر ہے
وہ حُرّ نہیں یہ اور ہی کوئی دلیر ہے

(۱۱۱)

غصہ میں ابن سعد ستمگر نے یہ کہا
بس بس بیان کر چکا شبیرؑ کی ثنا
حُرّ بھی ہے کوئی قابل تعریف کیا بھلا
دم بھر رہا ہے تو بھی بہت اب حسینؑ کا

انصارؑ کم ہیں فاطمہؑ کے نور عین پاس
مانند حُرّ کے تو بھی چلا جا حسینؑ پاس

(۱۱۲)

تو دیدباں ہے یا ہے ثنا خواں حسینؑ کا
تعریفیں اتنی حُر کی مرے منہ پہ بے حیا
بھڑکا رہا ہے اوروں کو ڈرتا نہیں ذرا
ہے شرط اس خطا کی ابھی دوں تجھے سزا

ہوگا اسیر ابھی تو سزا اس کی پائے گا
کوئی تجھے بچانے بھی اس جانے آئے گا

(۱۱۳)

سن کر کلام قہر یہ اس نے بیاں کیا
بے جرم کوئی قید کرے یہ مجال کیا
ثابت تو آپ کیجئے پہلے مری خطا
جو چاہئے گا دیجئے گا پھر مجھے سزا

ہوتا ہوں اب تو قید خطاگو مری نہیں
اچھا ہوا کہ بات بری کچھ کہی نہیں

(۱۱۴)

کچھ اور اس کلام سے ظالم بگڑ گیا
نزدیک تھا کہ قید کا دے حکم بے خطا
جب حُرملہ نے، شمر نے، دیکھا یہ ماجرا
بولے عمر سے خیر جو ہونا تھا وہ ہوا

یہ ذکر بھی زباں پہ نہ اب آنے دیجئے
گو اس کی ہے خطا مگر اب جانے دیجئے

(۱۱۵)

ناگاہ دشت جنگ میں پہونچا وہ نوجواں
جولاں کیا فرس کو رجز یوں کیا بیاں
حمد خدا میں پہلے ہوئے لب یہ دُر فشاں
سب سے بزرگ تر ہے خداوند انس و جاں

کس منہ سے اس کی حمد ہو انسان خاک ہے
واحد ہے، لَاشَدِیْکَ لَہُ ذات پاک ہے

(۱۱۶)

سب انبیاء سے افضل و بہتر ہیں مصطفیٰ
حضرتؑ کے معجزوں کی نہیں کوئی انتہا
انگی کے اک اشارے میں دوچاند کو کیا
اعجاز سب سے بڑھ کے ہے قرآن پاک کا

جتنے فصیح تھے نہ زباں تک ہلا سکے
مانند اس کے ایک بھی آیا نہ لاسکے

(۱۱۷)

بعد نبیؑ علیؑ کے فضائل ہوں کیا بیاں
مشکل کشا، امیر عرب، شاہ دو جہاں
بس حد ہے اب خدا کا نصیری کو ہے گماں
معراج مرتضیٰؑ کے مدارج بھی ہیں عیاں

یہ مرتبہ بھی ختم ہے زوج بتولؑ پر
توڑا بتوں کو کعبہ میں دوشِ رسولؑ پر

(۱۱۸)

بعد علیؑ حسنؑ ہیں زمانہ کے رہنما
کوئی ہوا نہ خلق میں ہم مثل آپ کا
مہمان جان و دل سے بھی بڑھ کر عزیز تھا
خوان کرم پہ بھوکا ہر اک سیر ہو گیا

کھانے سے جو طعام بچا ساتھ کر دیا
دامن گدا کا گوہر حاجت سے بھر دیا

(۱۱۹)

مثل حسنؑ حسینؑ بھی مہماں نواز ہیں
توقیر میں جلیل ہیں، رتبہ دراز ہیں
دنیا و دیں میں پیش خدا سرفراز ہیں
محتاج ہیں عراق میں، شاہ حجاز ہیں

مسدود کوفیوں میں بزرگی کا باب ہے
دعوت میں میہمان کی بند آج آب ہے

(۱۲۰)

مہمان کربلا کا ہوں میں بھی تو میہماں
مہماں نوازی شہ دین کا ہو کیا بیاں
مدح و ثنا میں کیوں نہ ہو قاصر مری زباں
ذرہ پہ آفتاب امامت ہو مہرباں
دوزخ سے حُر کو شاہ نے آزاد کر دیا
بے خانما کو گلشنِ جنت میں گھر دیا

(۱۲۱)

عالم میں کوئی شاہ سے بڑھ کر نہیں سخی
اس درپہ آکے ہو گیا محتاج بھی غنی
جس کو نہیں زوال وہ دولت مجھے ملی
توقیر کی امام نے اللہ کیا مری
سب سے زیادہ یہ ہے کہ بھائی کہا مجھے
عباسؑ نامدار کا رتبہ دیا مجھے

(۱۲۲)

ان کو کیا ہے شہ نے علمدار فوج کا
مجھ کو عطا ہوا ہے ہراول کا مرتبہ
یہ فخر کی جگہ ہے مباہات کی ہے جا
ان سب مجاہدین پہ سبقت میں لے گیا
ہوگا مقامِ وادیِ مینو سرشت میں
جاؤں گا قافلہ سے میں پہلے بہشت میں

(۱۲۳)

سن کر رجز یہ نارحسد سے جلا عمر
کہنے لگا یہ فوج سے اپنی پکار کر
نکلیں، بڑھیں پرے سے جوانان پُر جگر
نرغہ ہو چار سمت سے مہمان شاہ پر
جنگ و جدل میں حوصلے نکلے نہ شیر کے
قتل اس طرح کرو حُر غازی کو گھیر کے

(۱۲۴)

آمادہٴ وفا ہوئے رن میں ستم شعار
جب تک بڑھے بڑھے سوئے حُر فوج نابکار
غصہ میں خود اڑایا بہادر نے راہوار
در آیا آپ بیچ صفوں میں یہ نامدار
زین پرپے وفا حر غازی سنبھل گئے
کاٹھی سے تیغ کھینچ لی، تیور بدل گئے

(۱۲۵)

نکلی چمک کے میان سے یہ تیغ تیز تر
یا ابر سے نمود ہوئی برق شعلہ در
کھینچنے میں اس حسام کے بولے کوئی اگر
ہوں ٹکڑے کٹ کے بات کے لب کو نہ ہونجر
پیدا ہو تیغ تیز کی جھنکار بات میں
الگن کی طرح صاف ہو تکرار بات میں

(۱۲۶)

تینیں کھینچیں سپاہِ عدو میں بھی ناگہاں
آئے قریب حُر کے جو لشکر کے پہلواں
ان کے کلام سخت سے برہم ہوا جواں
ابرو چڑھے تو جل گئی تیغ شرفشاں
آئی تو پھر رکی نہ کسی پہلوان سے
گویا سروں پہ برق گری آسمان سے

(۱۲۷)

پُر آب تھی یہ شعلہ فشانی میں تھی بلا
سائے سے اپنے ناریوں کا تن جلادیا
دریائے آب تیغ کا طوفان تھا اٹھا
بہتے تھے سر حباب کے مانند جابجا
تھا تہلکہ بپا سپہ روم و شام میں
دریائے خوں بھی مل گیا آبِ حسام میں

(۱۲۸)

کالی گھٹاسی ڈھالوں کی میداں میں چھاگئی
جو بھاگتے تھے آج انہیں موت پاگئی
آئی سپر پہ وہ کہ قضا سر پہ آگئی
بھولے ہوؤں کو یاد اجل کی دلاگئی

ہر ضرب پر کلیجہ جوانوں کا ہل گیا
رستہ عدم کا تیغ کی نابوں سے مل گیا

(۱۲۹)

روکھی بھی، آبدار بھی، اور شعلہ بار بھی
غزہ بھی، بد مزاج بھی اور انکسار بھی
تھی نیلگوں بھی زہر سے، اور لالہ زار بھی
باد سموم بھی تھی، نسیم بہار بھی

سرسبز بھی کبھی تو کبھی خشک خار بھی
اک شاخ ہی میں رنگِ خزاں و بہار بھی

(۱۳۰)

الماس گوں بھی، لعل بھی، یاقوت رنگ بھی
نرمی میں مثل آب بھی، سختی میں سنگ بھی
لڑنے کا ولولہ بھی، وغا کی امنگ بھی
تلوار بھی، سپر بھی، چھری بھی، خدنگ بھی

جو دور تھا عدو اسے یوں خوں میں بھر دیا
زنجی نگاہ دیدہ جوہر سے کر دیا

(۱۳۱)

فولاد سے بھی سخت تھی خارا شگاف تھی
یہ حسن میں پری تھی سپر کوہ قاف تھی
سر کاٹنے میں تیز میان مصاف تھی
پتی تھی خوں عدو کا مگر پاک و صاف تھی

لذت میں یوں لذیذ اسے انگلیں نہ تھا
اس طرح چاٹے ہونٹ کہ دھبتا کہیں نہ تھا

(۱۳۲)

کشتوں کا خوں بھی پینے پہ خالی رہا شکم
کرتی تھی ہاتھ شاخ شجر کی طرح قلم
آفت کی باڑھ، قہر کی تیزی، بلا کادم
بد ہے کچی، مگر ہے یہاں نیک، قد میں خم

حصہ میں اس کے عیب و ہنر بن کے آئے ہیں
نیزے ہلال جان کے انگلی اٹھائے ہیں

(۱۳۳)

بے مثل حُسن میں ہے پری زاد کی طرح
مکرو دغا ہے چال میں کتیاد کی طرح
یکتا ہے جوہروں میں یہ فولاد کی طرح
اٹھنے میں شعلہ کورہ حداد کی طرح

کسنے میں چشم اہل نظر میں کھری ہوئی
قدرت خدا کی آب میں آتش بھری ہوئی

(۱۳۴)

پھرتی ہے کوئے زخم میں آزاد کی طرح
سرکائی ہے جسم سے جلاد کی طرح
رگ رگ کو جانتی تھی یہ فِصَاد کی طرح
جو ہر کے دام ڈالے ہیں صیاد کی طرح

تقدیر میں جو قید تھی ناچار ہوگئی
آتے ہی مرغ روح گرفتار ہوگئی

(۱۳۵)

معشوق سبزہ رنگ ہے جانیں نثار ہیں
غمرے کبھی نہاں ہیں کبھی آشکار ہیں
اس کے گلے کے آپ گل زخم ہار ہیں
رفتار ناز دیکھ کے دل بے قرار ہیں

ہے حسن چال ڈھال میں بک در کی طرح
آتی ہے جھوم جھوم کے سر پر پری کی طرح

(۱۳۶)

ہے فرق پر کبھی کبھی خود سپر پہ ہے
سینے پہ ہے کبھی، کبھی قلب و جگر پہ ہے
مثل قضا سوار، سواروں کے سر پہ ہے
زاغ کماں پہ آنکھ ہے مرغ نظر پہ ہے

ہے مشغلہ ازل سے اسی کارزار کا
خلقت میں اس کی شوق ہے سیر و شکار کا

(۱۳۷)

آئی کبھی سپر پہ، کبھی خود پر گئی
سینے پہ آکے قلب و جگر چاک کر گئی
پیاری کچھ اور ہو گئی جب خوں میں بھر گئی
تازہ دہن کی طرح نہا کر نکھر گئی

ہے سادگی میں فرد تو یکتا صفائی میں
لیتی ہے موت سے زرِ جاں رونمائی میں

(۱۳۸)

غازی کو یہ خیال تھا وقت مجادلہ
باقی یہی ہے حسرت و ارمان و ولولہ
اپنی ریاضتوں کا یہاں ہے یہ سلسلہ
یہ بھی مرا نکال دے اللہ حوصلہ

اعدا کو یوں دکھاؤں ہنر کارزار کے
خیمہ گرا دوں شمر کا تلواریں مار کے

(۱۳۹)

واں سے بڑھوں تو لوں پسر سعد کی خبر
جاتا ہے میرے ہاتھ سے بچ کے شقی کدھر
لے جاؤں پیش شاہِ جدا کر کے تن سے سر
پھیکوں سرِ رئیس کو پائے حسینؑ پر

کیا شاد مجھ سے فاطمہؑ کا نور عین ہو
بے سر ہو یہ شقی تو مرے دل کو چین ہو

(۱۴۰)

یہ دھیان کر کے جوش و غا اور آگیا
پہلے سے بڑھ کے اور جری حملہ ور ہوا
یارا و غائے شیر کا اب تھا کسے بھلا
حملوں سے حُر کے فوج میں اک تہلکہ ہوا

غل تھا کہ تیغ حُر میں روانی غضب کی ہے
مانند برق، شعلہ فشانی غضب کی ہے

(۱۴۱)

گرتی ہے برق تیغ چمک کر سپاہ میں
جلتے ہیں بے بسی سے ستمگر سپاہ میں
گھبرا رہے ہیں خوف سے افسر سپاہ میں
کیا ذکر ان کا موت ہے مضطر سپاہ میں

اُس کی وہ قبض روح کرے، اس کی جان لے
کشتے ہزار ہوتے ہیں، کس کس کی جان لے

(۱۴۲)

ہوش و حواس فوج میں اک کے نہیں بجا
ہر شے میں خوف موت سے برپا ہے تہلکہ
میدان سے کوئی بھاگ کے دریا میں گر پڑا
لاشوں میں کوئی جان کے ڈر سے نہاں ہوا

کیا قابل نظارہ تماشے ہیں فوج میں
زندوں کی جان مردے بچاتے ہیں فوج میں

(۱۴۳)

لاکھوں کے ایک شیر سے تھمتے نہیں قدم
ہاتھوں میں اب نہ کس ہے، نہ تلوار میں ہے دم
ہوتے ہیں ایک ہاتھ میں دس دس کے سر قلم
اب اس سے بڑھ کے کیا ہو یہ جرأت نہیں ہے کم

حُر یوں لڑے جو فیض شہِ مشرقین سے
پھر کوئی لڑ سکے گا بھلا کیا حسینؑ سے

(۱۴۴)

ہوش و حواس ڈر سے ہوں انساں کے کیا بجا
زُہرہ ہے آبِ خوف سے ہر اک دلیر کا
آواز الاماں کی ہے یا رن ہے بولتا
قرنا و کوس و بوق کی بھی بند ہے صدا

بسل ہے تیر خوف سے ہر دل سپاہ میں
جوڑے ہوئے ہیں ہاتھ جلاجل سپاہ میں

(۱۴۵)

ہے حملہ ور سپاہ میں غازی ادھر ادھر
بڑھتا ہی جاتا ہے طرفِ شمر بد گھر
پہنچا قریب خیمہ جو لڑ بھڑ کے شیرِ نر
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اہل کیں مگر

مہمان شاہ ظلم شعاروں میں گھر گیا
اک بیکس و غریب ہزاروں میں گھر گیا

(۱۴۶)

آیا جری کے پاس نہ کوئی بصدِ خطر
حربے جو دور کے تھے وہ چلنے لگے مگر
غربالِ ناوکوں سے ہوا جسمِ شیرِ نر
اک اور تیر ظلم پڑا آکے قلب پر

ٹکڑے کلیجہ نیزہ دشمن سے ہو گیا
ماتھا فگار سنگ فلاخن سے ہو گیا

(۱۴۷)

ہر ایک زخمِ تن سے جو بہنے لگا لہو
گرنے لگا زمین پہ زیں سے وہ نیک خو
تھی زیر لب ملال و قلق میں یہ گفتگو
میتا عمر تو دل کی نکل جاتی آرزو

افسوس ہے کہ دل ہی میں ارمان رہ گیا
مرتے ہوئے یہ داغ کلیجہ پہ سہ گیا

(۱۴۸)

کرتا تھا یہ خیال ابھی وہ اسیرِ غم
ناگہ اک اور دل پہ پڑا ناوکِ ستم
کھینچا جو تیر اور بڑھا صدمہ و الم
حلقے چھٹے رکاب کے تھرائے یوں قدم

چکر سا آگیا حرِ غازی کو زین پر
گھوڑے سے آکے غش نے اتارا زمین پر

(۱۴۹)

گرتے ہی دی صدا یہ شہِ تشنہ کام کو
مشہور ہو گئے ہیں بہادر یہ نام کو
جرات نہیں ذرا بھی کسی اہل شام کو
نیزے لگا کے زیں سے گرایا غلام کو

آیا نہ پاس پھر کوئی اک اک ڈرا کیا
کشتہ کیا جو دور کے حربوں سے کیا کیا

(۱۵۰)

اب ضعف سے حضور مرے تن میں جاں نہیں
بے بس پڑا ہے آپ کا خادم یہ بر زمین
جلد آئیے مدد کو مری اے امام دیں
سرکٹ لیں نہ دشمن جاں جسم سے کہیں

اب نیم جاں کو دم کی جدائی بھی شاق ہے
دیدارِ آخری کا بہت اشتیاق ہے

(۱۵۱)

آئی جو گوشِ شاہ میں مہمان کی صدا
اک آہ کر کے اکبر و عباس سے کہا
آیا تھا جان دینے یہ مہمان با وفا
فاقے ہی میں شہید ہوا وامصیبتا

دل پاش پاش ہو گیا کیسا یہ داغ ہے
ہفتادو دو، شہیدوں میں پہلا یہ داغ ہے

(۱۵۲)

لے کر پسر کو بھائی کو ساتھ اپنے ایک بار
آوازِ حُرّ پہ رن کو چلے شاہِ ذی وقار
آنسو بھرے تھے آنکھوں میں اور دل تھا بے قرار
پہنچے تو دیکھا نزع میں ہے وہ جگر و گار

گرم آہیں ہیں لبوں پہ، مگر جسم سرد ہے
چھاتی پہ دونوں ہاتھ ہیں، سینہ میں درد ہے

(۱۵۳)

بیٹھے حضورِ حُرّ کے سرہانے پچشمِ تر
زانو پہ اپنے لطف سے رکھا اٹھا کے سر
جاری تھا خوں جراحِ سر سے جو خاک پر
ہوتا نہ تھا وہ بند کسی طرح سے مگر

اوجِ غلامِ شہ سے سر چرخ جھک گیا
رومالِ فاطمہ جو بندھا خونِ رک گیا

(۱۵۴)

کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے شاہِ ذی وقار
کیجے دعا کہ سہل ہو سختیِ احتضار
زخمی بہت ہوں قبر میں کم ہو مجھے فشار
یہ کہتے کہتے ڈھل گیا منکا بحالِ زار

دارِ فنا سے سوئے جٹاں کوچ کر گیا
منزل سے مسکرا کے مسافر گذر گیا

(۱۵۵)

عباسِ نامدار نے حسرت سے یہ کہا
باتیں ابھی تو کرتا تھا شہ سے یہ با وفا
خاموش دفعۃً ہوا غازی، یہ کیا ہوا؟
روکر کہا حضور نے مہمان مر گیا

زخمی کو بتلائے عطشِ پاک کے لے گئے
کوثر پہ اپنے ساتھ پدر آ کے لے گئے

(۱۵۶)

زانو پہ سر زمین سے رکھ کر یہ کی فغاں
صدمہ ترے فراق کا کیا ہو سکے بیاں
تجھ سے میں شرمسار ہوں اے میرے میہماں
دم بھر ملا نہ چین نہ آرام کچھ یہاں

یہ سب تو تھا نہ غسل و کفن بھی ملا تجھے
محتاج نے خدا کے حوالہ کیا تجھے

(۱۵۷)

روکر کیا یہ حضرت عباسؑ نے بیاں
ناصر کا ہجر ہے سببِ نالہ و فغاں
ناصر بھی وہ جو ایک ہی دن کا ہو میہماں
مہماں بھی وہ کہ جس سے نخلِ خود ہو میزباں

اس میزباں سے پوچھئے جو خود کریم ہو
مہماں کا غم نہ کیوں اسے ذبحِ عظیم ہو

(۱۵۸)

ہمشکلِ مصطفیٰ نے کہا یہ پچشمِ تر
سچ ہے کہ اس ملال نے دل پر کیا اثر
سبطِ نبیؐ کو پاس تھا مہماں کا کس قدر
مغموم کس طرح نہ ہو سلطانِ بحر و بر

شمشیرِ داغِ حُرّ سے کلیجہ دو نیم ہے
احباب کی جدائی کا صدمہ عظیم ہے

(۱۵۹)

لاشے سے حُرّ کے اٹھ کے چلے شاہِ نامدار
محذوں تھے آپ اکبرؑ و عباسؑ اشکِ بار
ناموس کو بھی جا کے خبر دی یہ ایک بار
یعنی شہید ہو گیا مہمانِ ذی وقار

یہ سن کے اہلیت میں شور و بکا ہوا
خیمہ میں میہمان کا ماتم بپا ہوا

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

حج کے حوالے سے ایران و سعودی عرب کے مذاکرات کامیاب 85 ہزار ایرانی اس سال فریضہ حج ادا کر سکیں گے

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کے مطابق ایرانی محکمہ حج اور زیارت نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ سعودی حکام نے اسلامی جمہوریہ ایران کی تمام شرائط مان لی ہیں۔ بیانیہ میں کہا گیا ہے کہ امام خامنہ ای کے فرمودات پر عمل کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ ایران کے قابل احترام حکام اور شہید پرور قوم کی صبر و استقامت اور کوششوں کی بدولت اس سال اسلامی جمہوریہ ایران کے 85 ہزار سے زائد حجاج کرام فریضہ حج ادا کریں گے۔ ایران اور سعودی عرب کے درمیان بات چیت کے بعد اتفاق رائے طے پا گیا ہے کہ ایرانی باشندے رواں سال ستمبر میں شروع ہونے والے فریضہ حج میں شرکت کریں گے۔ خیال رہے کہ ایران اور سعودی عرب کے درمیان کشیدگی کی وجہ سے گزشتہ سال 2016ء میں ایرانی شہری حج ادا کرنے سے محروم رہے تھے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے محکمہ حج و زیارت اور سعودی حکام کے درمیان مذاکرات کامیاب ہو گئے ہیں، سعودی حکام نے ایرانی حجاج کو تمام تر وسائل فراہم کرنے کا عہد کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ سعودی عرب میں معروف شیعہ عالم شیخ نمر النمر کو پھانسی دے جانے کے بعد ایران اور سعودی عرب کے سفارتی تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔

دمشق کی عدالت پر خودکش حملہ، ۳۰ افراد شہید، ۴۵ زخمی

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کے مطابق ایک خودکش حملہ آور نے دمشق کے علاقہ حمیدیہ میں عدالت کی عمارت کے اندر بم دھماکہ کر دیا جس کی وجہ سے کئی افراد شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ شام کے الاخباریہ ٹی وی چینل نے اعلان کیا ہے کہ خودکش حملہ آور دھماکہ خیز مواد کے ساتھ عدالت کی عمارت میں گھس گیا اور دھماکہ کی وجہ سے دسیوں افراد شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ انٹرنی جنرل کی رپورٹ کے مطابق اس حملے میں ۳۰ افراد شہید اور ۴۵ زخمی ہوئے ہیں۔

شام میں حرم حضرت سکینہؑ کے قریب بم دھماکوں میں ۴۰ افراد شہید، ۱۲۰ زخمی

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کے مطابق شام کے دارالحکومت دمشق کے جنوبی علاقے میں ہوئے آج ظہر کو دو بم دھماکوں میں کئی افراد شہید اور زخمی ہو گئے ہیں۔ یہ دو بم دھماکے حرم حضرت سکینہؑ کے قریب باب مصلیٰ کے علاقے باب الصغیر پر زائرین کے درمیان کئے گئے۔ اطلاعات کے مطابق دھماکہ خیز مواد بسوں کے اندر رکھا ہوا تھا اور حرم مطہر کے قریب باب الصغیر پر بسیں پہنچتے ہی پھٹ گیا جس کی وجہ سے حرم مطہر سکینہؑ کے درجنوں زائرین شہید ہو گئے۔

ہیومن رائٹس واچ نے ان دھماکوں میں شہید ہونے والے افراد کی تعداد ۴۰ بتائی ہے جبکہ ۱۲۰ کے زخمی ہونے کی اطلاع ہے۔ بعض زخمیوں کی حالت تشویش ناک بتائی جا رہی ہے۔ عراق کی وزارت خارجہ نے ان دھماکوں کی شدید مذمت کی ہے۔

دشمنوں کے خلاف مضبوطی سے کھڑا ہونا ایرانی قوم کی ثقافتی دولت ہے: آیت اللہ سید علی خامنہ ای

اہل بیت نبویؑ ایجنسی ابنا کے مطابق قائد اسلامی انقلاب آیت اللہ خامنہ ای نے فرمایا ہے کہ کمزوریوں کو دیکھانے سے دشمنوں کو ہمارے خلاف سازشوں کا موقع ملتا ہے لہذا ہمیں اپنی کمزوری کو ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔ ان خیالات کا اظہار قائد انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے راہبان نور کارواں کے منتظمین اور خادمین کے ساتھ ایک ملاقات میں خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا کہ ایران کے خلاف مسلط کی جانے والی آٹھ سالہ جنگ بھی اس لئے چھیڑی گئی کہ دشمنوں کو ہمارے درمیان کمزوریوں کا پتہ لگ گیا تھا۔ انہوں نے دشمنوں کے خلاف لڑی جانے والی آٹھ سالہ جنگ اور دفاع مقدس کو ملک کے لئے عظیم سرمایہ اور دولت قرار دیا۔ آیت اللہ خامنہ ای نے فرمایا کہ دشمنوں کے خلاف مضبوط مزاحمت کا مظاہرہ اور غنڈہ گردی کرنے والی طاقتوں کے سامنے اٹھ کھڑے ہونا ایرانی قوم کے ثقافتی دولت ہے جس کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہئے۔

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اگر وطن عزیز کے خلاف دشمنوں کی سازشوں و ناکام رہا ہے تو دشمن کے سامنے اپنی کمزوریوں کو نہیں دیکھانا چاہئے اور اپنے اتحاد میں مزید اضافہ کرنا چاہئے۔

امریکہ اور اسرائیل، ایران پر حملہ کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے: سید حسن نصر اللہ

اہل بیت نبویؑ ایجنسی ابنا کے مطابق حزب اللہ کے سربراہ سید حسن نصر اللہ نے ہمارے نمائندے سے ایک خصوصی انٹرویو میں کہا کہ امریکا اور اسرائیل میں ایران پر حملہ کرنے کی ہمت و توانائی نہیں ہے اور ایران کی دفاعی توانائیوں کو خطرہ بنا کر پیش کرنے کی ہم ایران کی قیادت، حکومت اور عوام پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایک نفسیاتی جنگ ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکا کی موجودہ صورتحال اور اس کی فوجی توانائیاں یا پھر اسرائیل کی فوجی توانائی ایسی نہیں ہے کہ وہ ایران کے خلاف جنگ چھیڑ سکیں اس لئے ایران کے خلاف بیانات، صرف نفسیاتی جنگ کا حصہ ہیں۔ سید حسن نصر اللہ نے کہا کہ یہ نفسیاتی جنگ صرف اس لئے ہے کہ امریکا کی فوجی طاقت مضحل ہو رہی ہے اور ایران کی دفاعی قوت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

انہوں نے لبنان پر اسرائیل کی ممکنہ جارحیت کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ غاصب صیہونی حکومت کے قیام کے بعد سے ہی لبنان کو ہمیشہ اسرائیل کی طرف سے جارحیت کا خطرہ رہا ہے اور وہ ہر مہینے لبنان پر حملے کی دھمکیاں دیا کرتا ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اسرائیل نے اگر کوئی جنگ مسلط کی تو اس بار اسرائیل کے مقابلے میں لبنانیوں کو دو ہزار پچھ کی کامیابی کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑی کامیابی نصیب ہوگی۔ حزب اللہ کے سربراہ نے کہا کہ ہم نے گزشتہ جنگ میں ریڈ لائنوں کا خیال رکھا تھا لیکن اب ہم کسی بھی ریڈ لائن کی پرواہ نہیں کریں گے اور ہم حتیٰ حیفا میں آمونیاک کے ڈپو اور ڈیمونا کے ایٹمی ریکٹر کو بھی نشانہ بنائیں گے اور اسرائیل کو اس کی جارحیت کا مزہ چکھائیں گے۔ سید حسن نصر اللہ نے شام کے بحران کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شام میں جنگ، صرف دہشت گرد گروہوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ امریکا کی سرکردگی میں بہت سے مغربی اور عرب ملکوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے۔ انہوں نے یمن پر سعودی عرب کے وحشیانہ حملوں کے تقریباً دو سال پورے ہونے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یمن پر وحشیانہ جارحیت میں امریکا، اسرائیل اور علاقے کے بعض عرب ممالک شریک ہیں۔

Per Copy 25/-
Annual 200/-

نور ہدایت فاؤنڈیشن کا اسلامی، علمی اور تحقیقی

شعاع عمل

ماہنامہ
اپریل ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

قائد ملت حجة الاسلام والمسلمین

مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ)

عزت مآب نواب رضا صاحب، بھوپال

سید مصطفیٰ حسین نقوی 'اسیف جانی'

قائم مہدی نقوی تڑھیب نگروری
آصف عباس نوگانووی، عمران آغا

ترسیل زر کا پتہ

نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

Phone No: 0522-2252230

Mobaile No: 08736009814 -09335996808

پبلشر- پرنٹر، سید مصطفیٰ حسین نقوی نے مالک ایس۔ کلب جواد نقوی کے لئے نظامی پریس و کٹوریہ اسٹریٹ، پوزٹ حسین مارکیٹ چوک لکھنؤ (یو۔ پی)
سے چھپوا کر نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک لکھنؤ (یو۔ پی) سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: سید مصطفیٰ حسین نقوی



جلد ۱۳

شمارہ ۱۰

قیام مؤسسہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ / ۱۶ جولائی ۲۰۱۷ء

اجراء جدیدہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ / ۱۶ جولائی ۲۰۱۷ء

نگراں: م۔ ر۔ عابد گولہ گنج، لکھنؤ

مجلس مشاورت

- پروفیسر علامہ علی محمد نقوی، علی گڑھ
- دکتر مہدی خواجہ چیری، ایران
- مولانا حسن ظفر نقوی، کراچی
- کمپین سکندر رضوی، لکھنؤ
- پروفیسر سید حسین مال الدین اکبر، الہ آباد
- سید احمد عباس نقوی، ممبئی
- شاعر اہل بیت رضا سوسوی
- سید سیف تقی نقوی، دہلی
- محمد عالم صاحب، حسین آباد، لکھنؤ

ارشاد

عقیدوں میں مداخلت، معاشرت میں تغیر، رواج میں تبدل، دستور میں دست اندازی کبھی تو حقیقت پروری کی بنیاد پر ضروری اور مناسب ہوتی ہے اور کبھی صرف ”فیشن“ کے لحاظ سے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ تمدن کا فلسفہ اور خود آرائی کا آئینہ نہیں بلکہ خود بینی اور خود نمائی کا آئینہ ہے جو عقل اور استدلال کی چٹان پر گر کر پاش پاش ہوتا ہے۔ دل کہتا ہے:

از قضا آئینہ چینی شکست

اور دماغ خوش ہو کر آواز دیتا ہے

خوب شد ! اسباب خود بینی شکست

جدت پرستوں کی مکدر کی ہوئی ہوا سے جو سات سمندر پار سے ہیضہ اور طاعون کی طرح آئی ہے اور پھیل گئی ہے، فیشن کی وباعام ہے مرد موچھیں منڈاتے ہیں اور عورتیں سر کے بال ترشواتی ہیں۔ غرض فطرت سے جنگ کا دور دورہ ہے۔ روس میں خدا کو سلطنت سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی انہی گاڈ سوسائٹی بنی ہے۔ اس دباؤ کے خلاف انسانی تمدن کی صحت کو قائم رکھنا آسان نہیں مشکل کام ہے۔ پھر بھی یہ اطمینان ہے کہ جو بھی ہو عارضی بات ہے، آخر طبیعت غالب آئے گی اور مرض کے جراثیم ختم ہوں گے۔

وہ عقائد جن کو عقل کی تائید حاصل ہے جو فطرت کی تحریک سے خون میں سرایت کئے ہوئے رگ و پے میں پیوست، دل میں گھراور دماغ میں خانہ بنا چکے ہیں آخر اپنی طاقت دکھلائیں گے اور غیر فطری شبہات و توہمات کی کدورت کو دور کر کے ذہن کے آئینہ کو صاف کر دیں گے۔

بے شک وہ رسمیں جو عقلی فیصلوں کے خلاف صرف بر بنائے رواج قائم ہو گئی ہیں، ان کو بدلنا، رواج کو توڑنا اور عادت کو چھوڑنا ضروری ہے۔

اس انقلاب کے لئے ہر ایک کو تیار ہونا چاہئے اور اس کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں اپنا عرصہ حیات، خوشگوار بنانے کے لئے ان رسموں کے لحاظ سے اصلاح معاشرت کی ضرورت ہے۔ بے جا پابندیوں میں وقت، مراسم میں حیثیت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے۔

(آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقوی طاب ثراہ)

احساس کم تری کے اسباب

نظام فطرت میں تغیر و تبدل نہیں کیا جاسکتا۔ افراد انسانی کی افتاد طبع کا اختلاف ناقابلِ ترمیم تکوینی حقیقت ہے۔ جو بات ایک شخص کے لیے احساس کم تری کا باعث ہے، اسی سے دوسرے کو اپنی پستی اور حقارت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ جو طابع تخلیقی طور پر خود دار اور زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں، انھیں قدم قدم پر احساس کم تری سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ احساس کم تری کا کوئی ایک سبب نہیں ہے جس پر آپ قابو پالیں۔ تمام اسباب کو ناپید کر دینا آپ کے بس سے باہر ہے۔ پستی اور کم تری کا احساس صرف بیرونی مادی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا ہے تاکہ انھیں حکومت کے ہاتھ میں دے کے اور سب پر برابر سے تقسیم کر کے آپ احساس کمتری کا دروازہ بند کر دیں آخر قدرتی اور اکتسابی، معنوی امور میں جو تفاوت ہے، اسے کیونکر دور کیجئے گا؟ ہر طالب علم اپنے مطلوب کے سامنے کمتری محسوس کرتا ہے، لہذا دلوں سے شوق طلب کو کھینچ لیجیے۔ ہر شاگرد اپنے استاد کے مقابل پستی محسوس کرتا ہے، لہذا تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں قفل لگا دیجیے۔ ہر کامیاب وکیل اور ڈاکٹر کے مقابلے میں اس کے دوسرے ہم پیشہ اپنے کو سبک پاتے ہیں، لہذا وکالت اور ڈاکٹری کا ڈپلومہ دینا موقوف کر دیجیے۔ ہر آتش بیان، قادر الکلام، فاضل خطیب دوسرے متکلمین کے چراغ بجھا دیتا ہے لہذا خطابت و تقریر قانوناً ممنوع قرار دے دیجیے۔ ہر معجز نگار صاحب طرز انشا پرداز سے دوسرے مضمون نویس آنکھیں چراتے ہیں، لہذا ان کے ہاتھ سے قلم چھین لیجیے۔ ہر طباع و ذہین شخص سے غمی اور کند ذہن شرمندہ ہوتے ہیں، لہذا دماغ کا آپریشن کر کے ذکاوت و ذہانت کو نکال دیجیے۔ ہر فلک سیر، خوش نگاہ، خوش فکر شاعر سے دوسرے شاعروں کی نگاہیں نیچی ہوتی ہیں لہذا شعر و شاعری پر پھرے بٹھا دیجیے۔ ہر طاقت ور اور قوی الجشہ شخص کے مقابل کمزور اور لاغر شخص کو احساس کمتری ہوتا ہے، لہذا اس کی طاقت کو کسی طرح سلب کر لیجیے۔

ذرا انصاف کیجیے! کیا ان غیر مادی صلاحیتوں کو انجکشنوں کے ذریعے تمام افراد انسانی کے دل و دماغ میں مساوی طور پر آپ پہنچا سکتے ہیں؟ جب تک لوگوں کے درمیان استعداد، قابلیت اور تکوینی صفات میں تفاوت ہے، احساس کمتری اور احساس برتری کسی سے چھکارا ممکن نہیں ہے۔ ہاں! دونوں سے نجات صرف ذہنی اصلاح کے توسط سے ہو سکتی ہے جس کا بندو بست اسلام نے اخلاقی تربیت کے ذریعے کیا ہے۔

(رئیس العلماء آیت اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ، علی گڑھ)